ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے



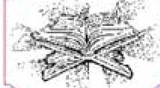
بچوں کا اسلام

707 اتوار 29 ربیع الاول 1437ھ مطابق 10 جنوری 2016ء

اشتیاق نمبر



بسم اللہ الرحمن الرحیم





ہم سب اللہ ہی کے ہیں!

''ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''
(آیت 156 بقرہ)

تشریح: قرآن پاک کی اس آیت میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چوں کہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں، اس لیے اسے ہمارے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور چوں کہ ہم اس کے ہیں اور کوئی بھی اپنی چیز کا بُرا نہیں چاہتا، اس لیے ہمارے بارے میں اس کا ہر فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آرہی ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ایک دن ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہٰذا یہ جدائی عارضی ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں ہے اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر ان شاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے۔ جب یہ اعتقاد دل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔ (آسان ترجمہ قرآن)

مصیبت کے وقت عمل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس صاحبِ ایمان پر کوئی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے، یعنی: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اٰجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔''

''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور (جو چیز مجھ سے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔'' (اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے، وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیب فرمائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت اشتیاق احمد صاحب کی آخری دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

شوق کیسے کیسے ... یہ ان دو باتوں کا عنوان ہو سکتا ہے ... ہمارے اردگرد عجیب عجیب شوق نظر آتے ہیں ... ان شوقوں پر ہم پھر کبھی بات کریں گے ... آج اسلامی لحاظ سے سب سے بہترین شوق کی بات کر لیتے ہیں ... جی ہاں! یہ شوق ہے سنتوں کا شوق ... میرے خیال میں تو مسلمان ہونے کے ناطے اس سے اچھا شوق کوئی اور نہیں ...

جن لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے ... یا یوں کہہ لیں کہ جن لوگوں کو یہ شوق لگ جاتا ہے، وہ بس اسی شوق کے ہو کے رہ جاتے ہیں اور ان کی زندگی بہت ہی دلچسپ زندگی بن جاتی ہے ... وہ ہر آن یہ سوچتے ہیں، میں جو یہ کام کرنے چلا ہوں ... تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کرتے تھے ... جب ہم ہر قدم پر یہی یہ بات سوچیں گے اور سوچنے کے بعد اس طرح کریں گے تو ایک نیا لطف محسوس کریں گے ... اور زندگی کا بھرپور مزہ آپ کو آئے گا ...

اور سنتوں پر تو سو فیصد عمل کر کے دکھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے .. ان کے سنتوں پر عمل کرنے کے واقعات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے .. انسان حیرت کے سمندر میں ڈوبتا چلا جاتا ہے .. لیکن ایسا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب انسان پر خود سنتوں پر عمل کرنے کا شوق سوار ہو جائے ... چلتے چلتے اس کی ایک مثال سناتا چلوں ...

ایک صحابی جب بھی وعظ کرتے تو مسکراتے ہوئے کرتے تھے ... یعنی وعظ کے دوران مسکرانا ان کا معمول تھا .. ان کی بیوی کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگیں:

''آپ جو وعظ کہتے ہوئے مسکراتے رہتے ہیں تو آپ کے اس طرح مسکراتے رہنے سے لوگ آپ کو پاگل خیال کرنے لگیں گے۔''

انھوں نے بیوی کی بات سن کر کہا:

''لوگ مجھے پاگل خیال کرتے رہیں، مجھے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ... میں وعظ کہتے ہوئے اسی طرح مسکراتا رہوں گا۔''

بیوی نے حیران ہو کر پوچھا: ''آخر کیوں؟''

انھوں نے جواب دیا:

''اس لیے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا ہے، آپ وعظ فرما رہے تھے اور وعظ فرماتے ہوئے مسکرا رہے تھے ... لہٰذا میں بھی مسکراتا ہوں۔''

آپ نے دیکھا .. ایسی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں .. صحابہ کرام تو تھے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی عملی تصویر .. اب آپ سے کیا چھپانا .. مجھے بھی یہی شوق ہے اور مبارک شوق ہے .. آپ کو بھی یہ شوق ہونا چاہیے .. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متعلق جو کتب لکھی گئی ہیں .. ان کتب کا مطالعہ کرنے سے آپ بہت آسانی سے ان سنتوں کے بارے میں جان سکتے ہیں .. اور جب آپ جان جائیں گے تو عمل کرنا آسان ہو جائے گا ... والسلام

کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں ..

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com



خط کتابت کا پتہ "بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

سالانہ زر تعاون اندرون ملک: 800 روپے بیرون ملک: 5000 روپے

اشتیاق احمد

ایک شخصیت ایک تحریک

مفتی محمد صاحب شیخ الحدیث جامعۃ الرشید

ہمارے محبوب و معروف ناول نگار جناب اشتیاق احمد مرحوم ان شخصیات میں سے تھے جنہیں جسمانی ساخت اور چہرے کی وجاہت کے لحاظ سے پرکشش نہیں کہا جاسکتا تھا، مگر انہیں ظاہری علوم اور باطنی صفات میں ایسا کمال حاصل تھا کہ اس نے انہیں ہر دل عزیز بنادیا تھا۔

جناب اشتیاق احمد مرحوم نے، جب لکھنا شروع کیا تو اپنی کہانی یا کوئی تحریر چھپوانے کے لیے انہیں دردر کی ٹھوکریں کھانا پڑتی تھیں، ان کے اندر چھپے جوہر سے ناآشنا ادب وفن کے اساتذہ بڑی منت سماجت اور تگ ودو کے بعد کبھی ان کی کہانی چھاپ دیا کرتے، مگر محنت اور استقامت کے اس پہاڑ نے بڑی جانفشانی اور جہد مسلسل سے وہ مقام حاصل کیا کہ پھر مختلف رسائل وجرائد کے مدیر حضرات کہانی لکھنے کے لیے ان کی منت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کو ایسی مقبولیت اور چاشنی عطا فرمائی کہ شاید ہی کوئی بچہ ایسا ہو جسے مطالعہ سے کچھ بھی دلچسپی ہو اور اس نے اشتیاق احمد کے ناول نہ پڑھے ہوں، اس وقت ادیبوں کی جو جماعت بڑھاپے میں قدم رکھ رہی ہے، اس کی اکثریت اشتیاق احمد کے ناولوں کی شوقین رہی ہے۔ پروفیسرز، ڈاکٹرز، جنرلز، کون سا طبقہ ہے جس نے ان کے چشمہ صافی سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔

اشتیاق احمد کہنے کو تھے تو بچوں کے ادیب، مگر بڑے بھی انہیں بچوں کی طرح شوق سے پڑھتے تھے 'بچوں کا اسلام' کے لیے انہوں نے 'دو باتیں' لکھنا شروع کیں تو بندہ سالوں تک ان کی چٹپٹی 'دو باتیں' پابندی سے پڑھتا رہا۔

اشتیاق احمد کو اللہ تعالیٰ نے شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا، مگر اس فنی کمال اور بے پناہ شہرت کے باوجود ان کی منکسر المزاجی اور تواضع کم از کم ادیبوں کی دنیا میں بے مثال تھی۔ ان کے ناول پڑھنے سے جو خیالی تصویر ہمارے ذہن میں تھی وہ کچھ اور تھی۔ 'بچوں کا اسلام' شروع ہونے کے بعد جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو دھان پان کی جسامت، سادہ لباس، چہرے پر بچی ڈاڑھی، سر پر ٹوپی، شلوار سنت کے مطابق ٹخنوں سے اونچی، گفتگو، چال ڈھال ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی۔ خوش اخلاقی اور تواضع ایسی کہ شاید و باید۔ ہم دیکھ کر حیران رہ گئے اور یقین نہ آیا کہ واقعی یہ وہی نامور ناول نگار اشتیاق احمد ہیں جو بچوں کے ادب میں پورے پاکستان کے استاد اور بچوں، بڑوں کے محبوب ہیں۔

ان کی سادگی کا واقعہ یاد آیا، غالباً چند سال پہلے کی بات ہے، بندہ نے گھر آنے کی دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کی، اکرام میں دوسری چیزوں کے ساتھ نوڈلز پیش کیں، بڑے شوق سے کھائیں اور کہنے لگے یہ نمکین سویاں میں نے پہلی دفعہ دیکھی اور کھائی ہیں۔ واپس جاکر 'بچوں کا اسلام' کی 'دو باتیں' میں مزے لے لے کر اس کا تذکرہ کیا اور اپنی ناواقفیت بھی بڑی بے تکلفی سے بیان کردی۔

اشتیاق احمد مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت میں بیان کیے گئے حقائق اور باتیں، باتوں باتوں میں سمجھانے کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عمیق سے عمیق بات ایسی سہولت سے بچوں کے ذہن میں بٹھادیتے تھے کہ گویا گھول کر پلا رہے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں فطری صلاحیت کے علاوہ قرآن وحدیث اور تاریخ وسیرت کے وسیع مطالعہ اور علماء ربانیین سے گہری وابستگی کا بھی بڑا دخل ہے۔ اسی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آخری دس پندرہ سالوں میں ان سے بہت عظیم الشان کام لیا، دوسرے بعض ناولوں کو شمار نہ بھی کیا جائے تو صرف 'بچوں کا اسلام' تنہا ہی اتنا بڑا کام ہے کہ ان شاء اللہ ان کی نجات کے لیے کافی ہے، بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اشتیاق احمد کے مضامین سے کروڑوں بچوں کو دین کی صحیح معلومات حاصل ہوئیں، ان کے عقائد ونظریات صحیح رخ پر پڑ گئے، ان کے دلوں میں دین کی محبت، دین کے لیے مجاہدہ کرنے اور قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا۔

مجھے یاد ہے کہ جب میرے بچے پڑھنے کے قابل ہوئے تو مجھے ان کی تربیت کے لیے بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق مستند کتب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بعض دوستوں سے تلاش کے لیے کہا تو ندوۃ العلماء کے فیض یافتہ جناب حکیم شرافت حسین صاحب کی لکھی ہوئی 'اچھی باتیں' (چھ حصے) میسر آئیں، جو بچوں نے چند مہینوں میں ہی پڑھ کر ختم کر ڈالیں۔ جلد ہی 'بچوں کا اسلام' شروع ہوگیا تو بچوں کو مطالعے کے لیے ہر ہفتے بہترین مواد ملنے لگا۔ بندے کے پانچ بچے ہیں، بندہ صرف دو نسخے گھر لاتا ہے۔ ہر بچہ اس ٹوہ میں ہوتا ہے کہ کب ابو گھر آئیں تو سب سے پہلے وہ 'بچوں کا اسلام' پر قبضہ کرے۔ اس سے بچوں میں مطالعہ کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ 'بچوں کا اسلام' کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھنے کی عادت بھی ہوگئی۔ جب کبھی سفر پر جانا ہوتا ہے تو ریلوے اسٹیشن یا اڈے سے سفر کے لیے لازماً کتابیں خریدنا پڑتی ہیں۔ ایک بار ڈائیوو سے سفر تھا، بک اسٹال سے کتابیں خرید کر بچوں کو دیں، بچوں نے سفر کا اکثر دورانیہ مطالعہ میں گزارا، ڈائیوو کی میزبان کہنے لگی: میں نے اتنے پڑھاکو بچے زندگی میں کبھی نہیں دیکھے۔"

میں سمجھتا ہوں اس میں اشتیاق احمد مرحوم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ایسے نامعلوم کتنے بچے ہوں گے جنہیں مطالعہ کی چاٹ اشتیاق احمد کے ناولوں سے لگی ہوگی۔

سیرت النبی قدم بقدم، واقعات صحابہ کے، وادی مرجان، باطل قیامت، روشن ستارے وغیرہ کئی کتابیں ان کی رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے والہانہ محبت کی دلیل ہیں، معلومات مستند، انداز اچھوتا اور انتہائی دلچسپ، دشمنان رسول و دشمنانِ جان نثاران رسول کے باطل نظریات کی مؤثر تردید، ان کی سازشوں سے نقاب کشائی۔ میرا دل چاہتا ہے بچہ، جوان، بوڑھا، مرد اور عورت ہر کوئی ان کی یہ کتابیں زندگی میں ایک بار ضرور پڑھے۔

کراچی کے آخری سفر میں 15 نومبر کو صبح تقریباً 9:15 پر جب بندہ دورہ حدیث میں بخاری کا سبق پڑھا رہا تھا تو موبائل کی گھنٹی بجی، دیکھا تو جناب انور غازی صاحب کا فون تھا، دوران سبق فون اٹھانے کا معمول نہیں، مگر اپنے ادارے کی کسی ذمہ دار شخصیت کا فون ہو تو خیال ہوتا ہے کہ چونکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ سبق کا وقت ہے، پھر بھی فون کر رہے ہیں تو کوئی ایمر جنسی ہوگی، اس لیے فون اٹھالیا، غازی صاحب نے بتایا کہ جناب اشتیاق احمد آئے ہوئے ہیں، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ عرض کیا سبق میں ہوں اور 10 بجے فارغ ہوں گا اور فون بند کردیا۔ 10 بجے فارغ ہوا تو غازی صاحب کو فون کیا معلوم ہوا کہ اشتیاق احمد تو جا چکے ہیں، افسوس کی انتہا نہ رہی، مرحوم کو فون کیا، حسب عادت انہوں نے بہت خوش اخلاقی سے خیریت دریافت کی، پھر شکوہ کیا کہ ہم جامعہ آئے تھے، آپ ملے

بھی نہیں، پھر کہنے لگے: میں نے بچوں کے لئے 21 ناول غازی صاحب کو دیئے ہیں، وہ آپ کو پہنچادیں گے۔ بندہ نے جواب دیا کہ شکوہ تو مجھے ہے کہ آپ جامعہ تشریف لائے اور بغیر ملے چلے گئے، انہوں نے کوئی عذر کیا۔ بندہ نے کہا: یہ تو عجیب ہوگا کہ آپ ملے بغیر واپس چلے جائیں، کوئی ایک کھانا میرے ساتھ تناول فرمائیں، فرمانے لگے، شیڈول سخت ہے، تاہم آپ قاری عبدالرحمٰن صاحب سے بات کریں، قاری عبدالرحمٰن صاحب (جو روزنامہ اسلام کے بانی ارکان میں سے ہیں، اور انہوں نے روزنامہ اسلام کے ابتدائی سالوں میں اخبار کو اٹھانے، نئے نئے لکھاری تلاش کرنے میں بڑا کردار ادا کیا، اشتیاق احمد بھی انہی کی دریافت تھے) سے بات کی، کچھ گفت وشنید کے بعد اگلے دن 16 نومبر کو ناشتہ میرے گھر طے ہوگیا۔ میں نے عرض کیا 9 بجے سبق شروع ہوتا ہے اس لیے آپ کو صبح سویرے آنا ہوگا، دوسرے دن 7:30 پر مرحوم قاری صاحب کے ہمراہ میرے دروازے پر تھے، عین اس وقت جب بچے اسکول اور مدرسہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے، بیٹے نے بہت اصرار کیا کہ میں آج چھٹی کر لیتا ہوں۔ میں نے چھٹی کرانا مناسب نہ سمجھا اور یوں اشتیاق احمد صاحب کے ساتھ باتیں کرنے کے بے پناہ اشتیاق کے باوجود وہ مرحوم سے صرف مصافحہ ہی کر سکا اور منہ بسورتے ہوئے اسکول چلا گیا۔

اشتیاق احمد نے اس قلق کو محسوس کر لیا اور انہیں بھی گھر میں بچوں کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔ ناشتہ تیار ہونے تک مختصر سے وقفہ میں ان کی مسائل معلوم کرنے اور سیکھنے کی تڑپ جاگ اٹھی۔ ایک تو ڈیجیٹل تصویر کا مسئلہ پوچھا، بندہ نے اس میں علماء کرام کی آراء کا خلاصہ بیان کیا، دوسرا مسئلہ مونچھوں کو حلق کروانے کا پوچھا، اس بارے میں فقہاء کرام کے دو نقطہ نظر بیان کیے اور بتایا کہ راجح جواز ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اعلم بمذہب ابی حنیفۃ ہیں، اسے سنت قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ معتبر مفتیان کرام اکثر حلق ہی کرواتے ہیں، بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: میں بہت پریشان تھا، چونکہ یہاں ایک ہفتہ گزارنا تھا، اس لیے آتے ہوئے مونچھیں بلیڈ سے صاف کیں، تاکہ دوران سفر پھر ضرورت نہ پڑے، پریشانی یہ تھی کہ میں نے یہ سن رکھا تھا کہ مونچھیں تراشنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قینچی سے جتنی زیادہ گہری تراشی جاسکیں اتنی تراشنی چاہئیں تو کیا میں نے حلق کروا کے کہیں خلاف سنت تو نہیں کیا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ سنت پر عمل کرنے کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

بندہ سے وقتاً فوقتاً فون پر مسائل پوچھتے رہتے تھے۔ قاری صاحب نے بعد میں بتایا کہ بندہ ناچیز پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مفتی محمد صاحب مسئلہ مختصراً جائز، ناجائز نہیں بتاتے بلکہ پوری بات تفصیل سے سمجھاتے ہیں، مگر چونکہ بہت مشغول آدمی ہیں، اس لیے مجھے چاہت کے باوجود زیادہ فون کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ناشتے میں دوسری معمول کی اشیاء کے ساتھ نوڈلز بھی تھیں، بندہ نے عرض کیا: یہ رہیں آپ کی نمکین سویاں۔ کہنے لگے اب تو میں پہچان گیا ہوں، بچے بھی گھر میں لاتے رہتے ہیں، نئی چیز جو کا دلیہ تھا جو سبزیوں اور گوشت کے قیمے میں بنا ہوا تھا، بہت شوق سے کھایا اور فرمانے لگے، آیندہ زیادہ وقت لے کر آؤں گا اور کھانا کھاؤں گا۔ ایک تو اس لیے کہ آپ کے ہاں کھانے کی بہت مزیدار چیزیں پکتی ہیں اور دوسرے اس لیے کہ بچے بھی گھر میں ہوں گے تو زیادہ لطف آئے گا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ اس درویش صفت، عظیم مصنف کا میرے گھر آخری ناشتہ ہوگا۔

ناشتے سے فارغ ہوئے تو بچوں کی ڈائریوں پر آٹوگراف دیئے، گھڑی دیکھی اور فرمانے لگے:

"آپ کو تاخیر ہو رہی ہے، سبق کا وقت قریب ہے۔"

جی تو نہیں چاہتا تھا کہ ان کو رخصت کروں، مگر سبق کی مجبوری تھی، بوقت رخصت بندہ نے کپڑوں کا ایک سوٹ اور خوشبو بطور ہدیہ پیش کی، کہنے لگے یہ تکلف آپ کیوں کر رہے ہیں؟ عرض کیا: حقیر سا ہدیہ ہے، آپ کا حق تو اس سے بہت زیادہ بنتا ہے۔ قبول کر لیا اور آگے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر تھیلا سیٹ پر ہی اپنی دائیں طرف رکھ لیا۔ بندہ نے عرض کیا: پیچھے قاری صاحب کو دے دیں اور آپ سہولت سے بیٹھ جائیں۔ مزاحاً کہنے لگے:

"خطرہ ہے قبضہ نہ کر لیا جائے!"

یوں یہ آخری ملاقات اختتام کو پہنچی اور فریقین کی دوبارہ ملاقات کی تمنائیں پوری نہ ہوسکیں، اگلے دن 17 نومبر کو وہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔

دامن جھٹک کے منزل غم سے گزر گیا
اٹھ اٹھ کے دیکھتی رہی گردِ سفر اُسے

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، ان کی گرانقدر خدمات کو ان کے لیے صدقہ جاریہ اور رفع درجات کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

بچوں کا پیارا روٹھ گیا

محبوب ہمارا روٹھ گیا
مرغوب نظارہ روٹھ گیا
قسمت کا ستارہ روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

گزریں گی فرقت میں راتیں
اب کون لکھے گا دو باتیں
ہے دل صدپارہ روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

جاسوسی ناول چھوڑ گیا
قارئین سے رخ کو موڑ گیا
نہیں غم کا یارا روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

وہ حاذق دل کے طبیبوں میں
تھا جس کا شمار ادیبوں میں
وہ قبلِ شمارہ روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

وہ شہرِ قائد آیا تھا
پر ساتھ اجل بھی لایا تھا
جاں اپنی ہارا روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

دکھ درد بتانے پر خوش تھا
شہکار کے آنے پر خوش تھا
پر غم کا مارا روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

جو جہد و عمل کا خوگر تھا
وہ جس کا راج دلوں پر تھا
وہ راج دلارا روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

محدود اثرؔ ہے فیضِ عام
مغموم ہے "بچوں کا اسلام"
خوشیوں کا منارہ روٹھ گیا
بچوں کا پیارا روٹھ گیا

اثر جونپوری

بابا جانی کی یادیں

ڈاکٹر نوید احمد۔ جھنگ

والد صاحب کی تعزیت کے تین دن پورے کرنے کے بعد چوتھے دن میں اپنے کلینک پر آ گیا۔ آج بھی دن بھر لوگ کلینک پر تعزیت کے لیے آتے ہی رہے۔ پُرنم آنکھوں کے ساتھ میں اپنے مریضوں کو بھی چیک کرنے کا کام کرتا رہا اور پھر عشاء کے بعد کلینک بند کر کے بوجھل قدموں کے ساتھ والد صاحب کی یادوں کے خیالات میں گم گھر کی جانب چل پڑا۔ ہر قدم پر کتنے ہی خیالات جنم لیتے، کتنے ہی آنسوز مین پر گرتے۔ خیال آتا ''آج جب تو گھر داخل ہوگا تو ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ وعلیکم السلام کہتے ہوئے والد صاحب تجھے کہیں نظر نہ آئیں گے''۔ اچانک چلتے چلتے جھٹکا سا لگا اور میرا دل کہنے لگا، نوید کہاں چلے جا رہے ہو، گھر جانے سے پہلے جو کام روزانہ کیا کرتے تھے، کیا آج وہ نہیں کرنا۔ ہاں میں روزانہ گھر جاتے ہوئے والد صاحب کے موبائل میں بیلنس ڈلوایا کرتا تھا۔ یہ میری روز کی عادت تھی۔ لیکن اب...

لیکن اب ان کو بیلنس کی کہاں ضرورت، اچانک خیال آیا کہ اب تو اُن کو بیلنس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوگی۔ میرا دل مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ اس وقت تک چلتے چلتے میں راستے پر آنے والی مسجد ختم نبوت کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ اسی لمحے میری نظر مسجد کے گلّے پر پڑی اور پھر تو جیسے ساری بات ہی صاف ہوگئی۔ میں نے فوراً جیب سے بیلنس والے پیسے نکالے اور مسجد کے گلّے میں ڈال دیے۔ یقیناً فوراً ہی اُن تک یہ میسج پہنچ گیا ہوگا۔ وہ بھی میرے نام کے ساتھ۔

آپ کو بتانے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ آپ بھی نقدی کی شکل میں اُن کے لیے کچھ کریں، بلکہ آپ سے درخواست ہے کہ آپ روزانہ سوتے وقت صرف دس بار سبحان اللہ کہہ کر اُن کے ایصالِ ثواب کی نیت کر لیا کریں۔ اس سے نہ صرف اُن کو بلکہ آپ کو بھی بہت فائدہ ہوگا۔ ساتھ میں اپنے عزیز و اقارب جو وفات پا چکے ہیں، اُن کے لیے بھی نیت کر لیا کریں۔ سبحان اللہ کہنا کتنا عظیم ہے، اس بارے میں دو واقعات جو والد صاحب نے خود اپنی زبانی ہمیں سنائے تھے۔ آپ کو بھی بتائے دیتا ہوں۔

ایک دن والد صاحب سنانے لگے کہ ایک قبر کے پاس سے ایک اللہ والے کا گزر ہوا۔ اُن کو محسوس ہوا جیسے قبر سے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے کی آواز آ رہی ہو۔ انھوں نے کان لگا کر غور سے سننے کی کوشش کی تو واقعی ہی ایسا ہی محسوس ہوا۔ یہ سن کر اُن کے منہ سے نکلا: ''سبحان اللہ!''

یہ اللہ والے جب رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا کہ وہی قبر والے ان سے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے بندے، میں جب سے اس قبر میں آیا ہوں، اب تک 70 بار قرآن پاک پڑھ چکا ہوں۔ تم مجھ سے یہ 70 بار پڑھا ہوا قرآنِ پاک لے لو اور اس کے بدلے تو نے جو اس دنیا میں ایک بار سبحان اللہ کہا، وہ مجھے دے دے۔ کیوں کہ وہ اتنا عظیم ہے کہ یہاں 70 بار کا قرآنِ پاک پڑھا ہوا بھی اُس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔

دوسرا واقعہ والد صاحب نے یہ سنایا کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی اپنے تخت سلیمانی پر ہوا میں اڑے جا رہے تھے کہ نیچے کھڑے ہوئے ایک دیہاتی کی نظر اُن پر پڑ گئی۔ انھوں نے اڑتے ہوئے تخت کو دیکھ کر کہا سبحان اللہ۔ اللہ نے یہ آواز اپنے نبی کے کانوں تک پہنچا دی۔ اللہ کے نبی نے فوراً اپنے تخت کو نیچے اتارنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی ڈر گیا کہ نا معلوم کیا بنی۔ نیچے آنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے۔ اے اللہ کے بندے ڈر نہیں۔ تو نے جو ایک بار سبحان اللہ کہا، یہ کہنا اتنا عظیم ہے کہ یہ میرا تخت اور یہ سب بادشاہی اس سبحان اللہ کہنے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اور یہ تو آپ کو پتا ہی ہوگا کہ ایک بار اگر کوئی سبحان اللہ کہہ دے تو اللہ تعالیٰ اُس کے نام کا ایک درخت جنت میں لگا دیتے ہیں۔ جس کی چھاؤں پانچ سو سال بھی چلے تو ختم نہ ہو۔

اس لحاظ سے روزانہ دس درخت تو آپ کے نام ویسے ہی لگ جائیں گے اور اگر آپ ہمیشہ یہ کام کرتے رہے تو کس قدر درخت جنت میں آپ کے ہو جائیں گے۔

ایک بات اور آپ کو بتا دوں کہ اگر کوئی بندہ ایک بار سبحان اللہ کہے اور یوں کہے یا اللہ جتنے بھی مسلمان مرد اور عورتیں اور مومن مرد اور عورتیں جو آج تک فوت ہو چکے ہیں، میں اس کا ثواب ان سب کو ایصال کرنے کی نیت کرتا ہوں، تو وہ جتنے بھی افراد ہیں، اُتنی گنتی کے مطابق سبحان اللہ کہنے کا اجر آپ کے کھاتے میں لکھ دیا جائے گا۔ سبحان اللہ! کتنے عظیم الشان ہیں ہمارے اللہ جو کس قدر دل کھول کر دیتے ہیں۔

ایک بات اور آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ ایک بار یہ چھوٹا سا درود شریف پڑھیں: **جزی اللّٰہ عنا محمداًما ھو اھلہ......**

ترجمہ: اے اللہ جزا دے محمد ﷺ کو ہم لوگوں کی طرف سے۔ جس بدلے کے وہ مستحق ہیں!

تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ 70 فرشتے ایک ہزار دن تک لکھتے رہتے ہیں۔

اگر آپ صرف ایک بار یہ درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں۔ تو آپ کی طرف سے ایک ہزار دن تک نفع پہنچتا رہے گا، تقریباً تین سال تک۔ کیا خیال ہے آپ کا!

ایک دن چھوٹی بیٹی حفصہ اپنی امی سے کہنے لگی: ''امی! یہ دیکھیں میرے تیس میں سے تیس نمبر آئے ہیں اُردو کے پیپر میں، یہ نانا ابو کو دکھانا ہے۔''

یہ سن کر رفعت بہن کہنے لگیں: ''بیٹا! نانا ابو تو فوت ہو گئے ہیں۔''

حفصہ کہنے لگی: امی اس پیپر کو سنبھال کر رکھ لیں، جب ہم سب فوت ہو جائیں گے تو پھر نانا ابو کو جنت میں دکھائیں گے۔''

ایک دن میرا چھوٹا بیٹا عبداللہ اپنی امی سے کہنے لگا:

''امی مجھے دادا ابو بہت یاد آتے ہیں۔ میں جب شام کو ٹیوشن سے واپس آیا کرتا تھا تو اُن سے دس روپے لیا کرتا تھا۔ اب بابا تو شام کو کلینک پر ہوتے ہیں، میں دس روپے کس سے لیا کروں۔''

والد صاحب جب کراچی جانے لگے تو سب سے چھوٹی بہن عائشہ نے درخواست کی تھی کہ ابو میرے لیے کراچی سے سوٹ ضرور لے کر آئیے گا۔

انہوں نے پیار سے کہا تھا: ''اچھا بلّو میں تمہارے لیے سوٹ ضرور لے کر آؤں گا۔''

لہٰذا کراچی جا کر آنے سے ایک دن پہلے انہوں نے قاری عبدالرحمٰن صاحب کے ذریعے عائشہ کے لیے ایک سوٹ بازار سے منگوالیا۔ تحائف بہت سارے اکٹھے ہو گئے تھے، جو ایکسپو سینٹر پر ملے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بڑے سے گتے کے ڈبے میں ساری چیزیں پیک کروالیں، جو ڈاک سے آنی تھیں۔ یہ دیکھ کر قاری عبدالرحمٰن صاحب والد صاحب سے کہنے لگے:

آنسو

ماریہ نوید (پوتی)

”کیا ڈھونڈ رہے ہیں دادا ابو؟“

”بلّو! میرے کان کا آلہ گم ہو گیا ہے، وہ تلاش کر رہا ہوں۔“

”میں تلاش کر دیتی ہوں، آپ بیٹھ جائیں۔“ ماریہ نے کہا۔

ہر جگہ ڈھونڈنے کے بعد جب آلہ کہیں نہ ملا تو وہ پریشانی سے بولے:

”میرے پاس دوسرا آلہ تو ہے، مگر وہ آلہ میرے کان میں زیادہ فٹ بیٹھتا ہے اور میں بہت آرام محسوس کرتا ہوں۔“

میں ان کے کمرے میں گئی تو اچانک میری نظر زمین کے ایک کونے میں پڑی تو وہاں آلہ پڑا نظر آیا۔ میں نے فوراً اسے اٹھایا اور دادا ابو کو دے دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور بولے:

”یہ لو بیس روپے میرے طرف سے انعام......“

میں نے کہا: ”نہیں نہیں، دادا ابو رہنے دیں۔“

وہ بولے: ”رکھ لو بلّو میری طرف سے انعام!“

یہ ان کا دیا ہوا آخری انعام تھا جو وہ مجھے کراچی جانے سے پہلے دے کر گئے تھے۔ اگلے دن صبح صبح وہ کراچی جانے کے لیے تیار ہو گئے اور گھر کا ہر فرد ان سے ملنے کے لیے صحن میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے سب سے ہاتھ ملایا اور خوشی خوشی موٹر سائیکل پر ابو (نوید احمد) کے ساتھ اڈے پر جانے کے لیے بیٹھ گئے۔ گھر میں موجود سبھی لوگ دروازے تک انہیں الوداع کہنے کے لیے آئے اور انہوں نے جاتے جاتے سب کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔ اس وقت کسی کو کیا پتا تھا کہ وہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گے!

انہیں سب گھر والوں سے بہت محبت تھی۔ وہ زیادہ دن ہم لوگوں سے دور نہیں رہ پاتے تھے، جب بھی کہیں دور جاتے، دن میں کئی بار فون کرتے۔ اب جب بھی ان کے کمرے میں جاتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ مجھے آواز دے رہے ہوں۔ ان کے کمرے کی ہر چیز رلاتی ہے۔ اب ہمیں بلّو کون کہا کرے گا اور ہم دادا ابو کسے کہا کریں گے؟

جب بھی میرا اسکول میں امتحان ہوتا تو میں پیپر دینے سے پہلے ان کے کمرے میں جاتی اور کہتی: دادا ابو! دعا کرنا آج میرا پیپر ہے تو آگے سے کہتے کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے اور جب میں گھر میں واپس آتی تو سب سے پہلے وہ مجھ سے پوچھتے پیپر کیسا ہوا؟

اب ہمیں ایسی بزرگانہ دعائیں کون دے گا، کون پوچھے گا ہم سے؟

کراچی جانے سے دو تین دن پہلے میں نے ان کی پسند کا کیک بنایا۔ ان کے کمرے میں لے کر گئی تو لکھنے میں مصروف تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے آنسوؤں کی وجہ پوچھی تو رومال سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے:

”کچھ نہیں بلّو بس، ویسے ہی......“

میں نے کہا، یہ کیک بنایا ہے۔ وہ کہنے لگے تھوڑا سا دے دو۔ انہوں نے بہت شوق سے کھایا۔ مجھے کیا پتا کہ آج کے بعد پھر کبھی وہ میری بنائی ہوئی چیز نہیں کھا پائیں گے۔

دادا ابو کے آنسو یاد آئے تو ایک اور انوکھا منظر ذہن میں تازہ ہو گیا جو یقیناً ہم سب گھر والے کبھی بھی بھلا نہ پائیں گے۔ ہوا یہ کہ دادا ابو کا جنازہ اٹھانے سے تین چار منٹ پہلے ہم سب گھر والے اُن کے ارد گرد موجود تھے، سب بے اختیار بے آواز رو رہے تھے کہ اچانک ہم نے ایک عجیب منظر دیکھا!

ہم سب نے واضح طور پر دیکھا کہ دادا ابو کی بند آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ بالکل صاف اور واضح طور پر پلکوں کے درمیان گیلا پن آ گیا تھا۔ حیرت کے ساتھ بے اختیار یہی خیال آیا کہ ہم سے بے حد محبت کرنے والے دادا ابو خود تو بہت اچھی جگہ چلے گئے مگر گویا ہمارے غم پر غمگین بھی ہو گئے۔

ہمارے دادا ابو صرف اس دنیا سے گئے ہیں، مگر ہمارے دلوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر شدت سے یاد آئیں گے۔ نجانے مجھے اب بھی ایسا کیوں لگتا ہے جیسے، وہ کراچی گئے ہوئے ہیں اور بس ابھی واپس آ جائیں گے اور میرے کانوں میں ان کی مدھر آواز آئے گی:

”کہاں ہے میری بلّو!“

”اشتیاق صاحب! ڈاک بعد میں پہنچے گی اور اس طرح آپ خالی ہاتھ گھر جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ عائشہ کا سوٹ اس میں نہ رکھیں اور اس کو اپنے ساتھ ہی لے جائیں۔ اس طرح عائشہ کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہو گی۔“

لیکن کسے معلوم تھا کہ صرف عائشہ کا سوٹ ہی آئے گا، والد صاحب خود نہیں آئیں گے۔

زندگی کیا ہے غم کا دریا ہے! یہ وہ جملہ ہے جو ہمارے والد صاحب گھر میں آتے جاتے کتنی بار کہتے تھے: ”آج یہ غم کا دریا ہے اور ہم ہیں۔“

مگر کراچی جانے سے کچھ دن پہلے انہوں نے یہ جملہ کہنا چھوڑ دیا تھا اور اس کی جگہ بہت کثرت سے آتے جاتے یہ پڑھنا شروع کر دیا تھا:

تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِی لَا یَمُوْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا......

ترجمہ: میں نے اس ذات پر بھروسہ کیا جسے موت نہیں، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی اولاد نہیں۔

ہمیں بار بار نصیحت کرتے تھے کہ تم سب بھی اس کو کثرت سے پڑھا کرو، لیکن شاید انہوں نے محسوس کیا کہ ہم یہ پڑھنا بھول جائیں گے یا چھوڑ نہ دیں، لہٰذا انہوں نے کراچی جانے سے پہلے اس کے پرنٹ نکلوائے اور اپنے کمرے کے دونوں دروازوں پر یہ پرنٹ اپنے ہاتھوں سے چسپاں کر دیے۔ آپ کو بھی بتانا عمل کی دعوت دینا ہے۔ کیونکہ وہ بتایا کرتے تھے کہ اس کے پڑھنے سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں، خاص کر مالی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

اس بار جب وہ سیالکوٹ ایک پروگرام میں گئے تو فون پر بتانے لگے کہ یار نوید! ہدیے کے طور پر نقد بہت سارے پیسے ملے ہیں۔ میں نے سنتے ہی انہیں کہا:

”اصل میں اس بار آپ نے جو عید پر اپنی قربانی کے علاوہ ایک قربانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی، کی تھی، میرا خیال ہے یہ اس کی برکات ہیں۔“

یہ سن کر وہ کہنے لگے: ”یہ خیال میرے دل میں بھی آیا تھا، ایسا ہی لگتا ہے۔“

بے شمار ایسی باتیں ہیں، جو بے اختیار یاد آ کر آنکھیں نم کر دیتی ہیں، مگر پھر یہ سوچ کر دل کو سکون آ جاتا ہے کہ اللہ کا قانون ہی یہ ہے کہ ہر آنے والے کو آخر اس کی طرف لوٹنا ہی ہے۔ آج وہ گئے ہیں، کل ہماری باری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور ہمیں بھی آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

زندگی کیا ہے؟

اشفاق احمد ۔ جھنگ (چھوٹے بھائی)

کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں وقت کے صفحات پر
نسلِ نو سے بس یہی تو رابطے رہ جائیں گے

آہ...... ! سادہ غذا کھانے والے، سادہ زندگی گزارنے والے میرے بڑے بھائی جنہیں میں باؤ جی کہا کرتا، کتنی سادگی کے ساتھ ہم سے رخصت ہوگئے۔ موت جدائی کے نشتر سے رشتے منقطع کر دیا کرتی ہے۔ پہلی بار میں اپنے والد محترم کی وفات کے وقت یتیم ہو گیا تھا، مگر اس وقت بڑے بھائی نے باپ کا کردار ادا کیا، سہارا دیا۔ اس کے بعد دو چھوٹے بھائی مجھ سے بچھڑے اور اب بڑے بھائی باؤ جی بھی بالآخر داغِ مفارقت دے گئے اور یوں گویا دوسری بار میں 17 نومبر کو یتیم ہو گیا۔ میں ان کو باؤ جی اور میرے بھتیجے ان کو بابا جانی کہہ کر پکارتے تھے۔ اب ان القابات یا ان الفاظ سے کون کس کو پکارے گا؟ میرے بڑے بھائی جان نے اپنے تخلیقی کرداروں کو کہاں تک پہنچایا اور ان کے کرداروں نے ان کو کہاں تک پہنچایا۔ ان کے کرداروں پر اب کون لکھے گا؟ بقول ان ہی کے، جس کا کام اُسی کو ساجھے!

ان کے کرداروں پر تو نہیں بلکہ ان کے طرز پر چھوٹے بھائی آفتاب احمد نے کوشش کی تھی، ان کے چند ناول منظر عام پر بھی آئے، لیکن موت نے ان کو مہلت نہ دی۔ قدرت نے ان کو 2000ء میں اپنی رحمت کے سائے میں بلا لیا۔ اس دنیا میں اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ دیکھیں اب موت تنہا کب تک رہنے دیتی ہے!

بعد از نمازِ عصر روزانہ معمول کے مطابق میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ جب بھی میں حاضر ہوتا زبان مبارک سے اکثر یہ جملہ فرماتے، زندگی کیا ہے؟ کبھی کبھی اس جملے کو آگے بڑھاتے زندگی کیا ہے، غم کا دریا ہے۔ آپ اکثر اوقات یہی آٹو گراف دیا کرتے ''زندگی بے بندگی شرمندگی''۔ ان کو قریب سے جاننے اور ان سے محبت کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی زندگی کا محور قلم، کاغذ، کتاب اور اعمال صالحہ تھے، جن سے وہ آخر دم تک جڑے رہے۔ ان کو ''پارکر پین'' کا بڑا شوق تھا، جب بھی کوئی شخص پارکر کا پین تحفے میں دیتا، آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان ہی تحفے میں ملے قلم سے تخلیق کردہ کرداروں کو بہت ہی مشکل گھڑیوں سے گزارنا ہوتا اور سنگلاخ گھاٹیوں میں دھکیلنا پڑتا تھا۔

کبھی کبھی شوق سے کھجوریں منگوایا کرتے اور شوق ہی سے دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے۔ جب بھی میرے گھر تشریف لاتے، کوئی بھی بوتل، مشروب پیش کرنے کا کہا جاتا، آپ انکار فرماتے۔ کبھی بھی بوتل نہ پیتے، حتیٰ کہ چائے کے لیے اصرار کیا جاتا تو وہ بھی نہ پیتے۔ اپنے گھر اپنی فیملی ہونے کے باوجود کسی کو تکلیف نہ دیتے، خود ہی چائے تیار کر کے پی لیتے۔ جب بھی کبھی میں ان کو کال کرتا تو اکثر میری کال کاٹ کر خود فون کرتے تاکہ چھوٹے بھائی کا بیلنس خرچ نہ ہو۔ میرا ان کے پاس روزانہ جانے کا معمول تھا۔ میں نے ان کو ہمیشہ بہت کم پڑھتے اور زیادہ تر لکھتے پایا۔ زیادہ تر اپنے کمرے کی کرسی پر 'بچوں کا اسلام' کا کام کرتے نظر آتے یا اپنا ناول مکمل کرتے دکھائی دیتے۔

انہوں نے پاکستان میں رہنے والوں کے لیے ہی نہیں، ہمیشہ پوری دنیا کے لیے لکھا۔ پاکستان کے ایک پسماندہ شہر جھنگ میں رہتے ہوئے اپنی آواز دنیا تک پہنچائی۔ انہوں نے ہفت روزہ بچوں کا اسلام اور اٹلانٹس پبلی کیشنز کے لیے دن رات محنت کی اور انہیں ہمیشہ اپنا ادارہ سمجھا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے محاذ پر بھی اللہ رب العزت نے ان سے ایسی تحریریں لکھوائیں، جس کا آج تک کوئی منکرِ ختم نبوت جواب نہ دے سکا۔

میں ان کے بارے میں اور کیا لکھوں، کون سی باتیں لکھوں، کون سی چھوڑ دوں؟ ان کے بچوں کے سامنے خود کو سنبھالے رکھتا ہوں لیکن میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا ہوں۔ آج میں یہ سب کچھ لکھتے ہوئے خود پر قابو نہیں رکھ پارہا، آنکھیں بے اختیار برس رہی ہیں۔ ہر وقت میری نگاہیں انہی کو تلاشتی ہیں، پھر سوچتا ہوں کہ میں بھی کتنا پاگل ہوں۔ اپنے باؤ جی کو اس راہ پہ بھیج کر تلاش کر رہا ہوں جس راہ پر دونوں چھوٹے بھائیوں کو روانہ کیا تھا۔ مجھ سے پہلے بڑے بھائی دونوں چھوٹے بھائیوں کے پاس چلے گئے۔ یقیناً اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں سے مل کر وہ خوش ہوئے ہوں گے۔

باؤ جی گلی بازار محلے سے خاموشی سے گزر جاتے۔ گھر میں اپنے کام سے کام رکھتے اور عموماً خاموش رہتے۔ دراصل انہوں نے خاموش رہنا سیکھ لیا تھا۔ جب سردی کے ایام قریب آتے تو کہتے، بازار سے ایک اُونی ٹوپی لے آنا۔ سردی ہوتے ہی ان کی یہ بات شدت سے یاد آنے لگی۔ کمزوری کے باعث وہ ایک پڑوسی شفیق احمد دودھ والے کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر قریبی مسجد فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہ جایا کرتے تھے۔ ایک دن شفیق احمد گھر سے نکل رہے تھے۔ میں نے کہا، اب تو آپ اکیلے ہی جاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ مغموم سے ہو گئے۔ کہنے لگے: ''جی ہاں ایسا ہی ہے!''

ایک دن باؤ جی کی نواسی آئی۔ میں بھی وہیں بیٹھا تھا۔ انہیں کہنے لگی کہ آپ اصلی نانا ابو ہیں اور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگی کہ یہ نقلی نانا ابو ہیں۔ باؤ جی نے بڑے پیار سے کہا: ''ایسے نہیں کہتے بیٹا! یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔''

آج جب اس بچی کو دیکھتا ہوں تو دل میں

ایک جواب

ہمارے دادا جی اشتیاق احمد رحمہ اللہ کو بعض لوگ خشک مزاج سمجھتے تھے، حالاں کہ حضرت اس کے بالکل برعکس تھے۔ آپ اکثر دو باتیں میں اپنی زندہ دلی کا مظاہرہ کر کے قارئین کو ہنساتے تھے۔

بچوں کا اسلام شمارہ نمبر 468 نویں سالنامے میں حضرت کا انٹرویو شائع ہوا۔ اس میں ایک قاری نے بڑا دلچسپ سوال پوچھا لیکن جواب دلچسپی میں سوال سے چار ہاتھ آگے تھا۔ سوال تھا: جب آپ کو غصہ آتا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ اس کا جواب حضرت نے دیا:

''غصہ کرتا ہوں!''

یقین جانیے !

اس جواب کو پڑھ پڑھ کر ہم ہنستے رہے تھے۔ اللہ پاک سے دعا ہے اشتیاق احمد رحمہ اللہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

فاروق احمد صدیقی ۔ کراچی

اسے کہتا ہوں کہ پیاری بیٹا! آپ نے صحیح کہا تھا اصلی نانا ابو تو چلے گئے، اس دنیا میں صرف نقلی نانا ابو رہ گئے ہیں۔

انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اچھی سی نوکری کا خواب دیکھا تھا مگر یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ دراصل ان کی قسمت میں تو کروڑوں قارئین کا محبوب مصنف بننا لکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی کہانی، والد محترم کو دکھائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ ان کی دعاؤں کے ثمرات ایسے رنگ لائے کہ پاکستان کے محبوب ترین مصنف بن کر ابھرے۔ کچھ رشتہ داروں نے ان کے اس لکھنے کے انداز کو بُرا محسوس کیا، لیکن پھر انہی نے دیکھا کہ جانے والے کے لیے کتنے آنسو بہائے گئے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے ایوارڈز، انعام اور تعریفی اسناد حاصل کیں، جو آج بھی ان کے مخصوص کمرے میں موجود ہیں، لیکن باؤ جی خود موجود نہیں ہیں۔ اکثر مجھ سے آپ ہومیو پیتھک کی ادویہ منگوایا کرتے۔ آج بھی ان کے ہاتھ کی آخری دوائی کی چٹ لکھی ہوئی میرے پاس محفوظ ہے۔ دو دوائیاں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیں۔ آرنی میشیا ولگرس 30 خمیرہ ہمدرد۔ ان دوائیوں کے بارے میں کراچی سے بھی پوچھا کہ لی ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں، ابھی لینی ہیں۔

جب وہ کتابوں کی نمائش میں شرکت کرنے کراچی جانے لگے تو کون جانتا تھا کہ یہ ان کا آخری سفر ہے۔

بہرحال اس تحریر کے ذریعے میں ان تمام بزرگوں، دوستوں، حلقہ احباب کا تہہ دل سے احترام کرتا ہوں جنھوں نے ان کو خراج تحسین پیش کیا۔ خاص طور پر ڈی آئی جی غلام رسول زاہد صاحب کا جنھوں نے ہمیشہ ہی ہمارے لیے شفقت کے پھول برسائے۔ ہم جامعۃ الرشید اور روزنامہ اسلام کی انتظامیہ کی خدمات کو بھی کبھی نہ بھول پائیں گے۔

2000ء میں چھوٹے بھائی آفتاب احمد کو جس جگہ سپرد خاک کیا تھا، ٹھیک اسی جگہ پر 15 سال بعد اپنے بڑے بھائی کے جسدِ خاکی کو اللہ کے حوالے کیا۔ جھنگ سٹی روڈ پر قبرستان کے شروع میں ہی ایک قبر میں دو مصنف آرام فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کی راحت اور سکون نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

بقیہ: میرے سسر، میرے محسن!

میں نے حاجی صاحب سے مشورہ کیا، میری تعلیم کے تقریباً 4 سال رہتے ہیں۔ اسے درمیان میں چھوڑنا بھی مناسب نہیں اور گھر کی ذمہ داری بھی ہے، جیسے آپ مشورہ دیں۔ ویسے شروع سے میری خواہش تھی، میں تعلیم مکمل کر کے شادی کروں، لیکن والد صاحب اور آپ کے حکم پر فوری تیار ہوگیا۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا، آپ تعلیم مکمل کریں، ان شاء اللہ میں تعاون جاری رکھوں گا، تعلیم آپ ضرور مکمل کریں۔ شادی کے بعد چار سال مکان کا بھی کرایہ عنایت فرماتے رہے۔ وقتاً فوقتاً بھی تعاون فرماتے رہتے تھے۔ یہ ان کا میرے اوپر احسان بھی ہے اور ذخیرۂ آخرت بھی، کیونکہ یہ سب تو وہ اللہ کی رضا کے لیے ہی کرتے رہے کہ یہ تعلیم مکمل کرلے، مجھے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ بہرحال حاجی صاحب کے ہمارے اوپر بے شمار احسانات ہیں جنھیں میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ جب آخری تقریب ختم بخاری کی دعا شروع ہوئی تو میری آنکھوں میں آنسو جاری تھے کہ یہ میرا تعلیمی سفر، میرے والد صاحب نے کتنی مشقتوں کے باوجود شروع کروایا اور چار سال تک مجھے پہنچایا۔ حضرت والا جب جھنگ تشریف لاتے تو حاجی صاحب سے کہتے یہ (عثمان) اللہ کے حوالے یا آپ کے حوالے۔ حاجی صاحب مسکرا دیتے تھے۔

جب ختم بخاری کی دعا ہو رہی تھی۔ میرے والد صاحب دنیا میں موجود نہیں تھے۔ حاجی صاحب کی زیر شفقت تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ مجھے اپنے دونوں محسن بہت یاد آئے، جہاں والد صاحب یاد آرہے تھے، وہیں حاجی صاحب کے احسانات بھی میرے سامنے تھے۔ میں نے اسی وقت نیت کی کہ میری تعلیم اور آج کے بعد جتنے نیک اعمال مجھ سے ہوں، ان کی نیت کرتا ہوں کہ ان کا ثواب میرے والد صاحب اور حاجی صاحب کو پہنچتا رہے۔ جب 17 نومبر کو حاجی صاحب کے انتقال کی خبر سنی تو میں گنگ کھڑا رہ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے والد صاحب آج دنیا سے رخصت ہوئے، کیونکہ حضرت حاجی صاحب میرے والد تھے جنھوں نے کبھی مجھے میرے والد کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

حاجی صاحب اشتیاق احمد میرے محسن بھی تھے اور میرے سسر بھی۔ اسی لیے میں انھیں کبھی فراموش نہیں کر پاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا خاص قرب عطا فرمائے آمین۔

یادیں

آتا ہے یاد مجھ کو، گزرا ہوا زمانہ
وہ اشتیاق صاحب اور ان کا ہر فسانہ
محنت محققانہ، ہمت مجاہدانہ
افعال داعیانہ، اقوال مشفقانہ
تھے اشتیاق احمد ہم سب کے پیارے بے حد
آساں نہیں ہے یارو! اب ان کو بھول جانا
دل چاہتے ہیں سارے دلچسپ ہی نظارے
مشکل تھا ان دلوں کو ناول سے جیت جانا
لیکن ہمارے پیارے وہ اشتیاق صاحب
لائے تھے منفرد سا اندازِ ساحرانہ
آنکھیں پھٹی پھٹی ہیں اور ''منہ کھلے کھلے ہیں''
دل کش محاوروں سے ناول کا جگمگانا
محمود کی شجاعت، فاروق کی شرارت
فرزانہ کی ذہانت، جمشید کا گھرانہ
آصف کمر کو کستا اور آفتاب ہنستا
فرحت بھی دست بستہ، یہ گھر تھا کامرانہ
شوکی تھا شوخیوں میں، مکھن تھا مستیوں میں
اشفاق شیخیوں میں، اخلاق فاضلانہ
وہ خان عبدِ رحمن، داود اور اکرام
جمشید و کامراں کا تھا خوب دوستانہ
سی مون کی شرائط، جیرال کے ضوابط
ابضال کا نرالا اندازِ غائبانہ
فرزانہ جل کے کہتی، جلتی ہے میری جوتی
ایڑی میں ایک چاقو محمود کا چھپانا
یہ نام مجھ کو بالکل ناول کا لگ رہا
فاروق کا ہمیشہ اس طرح چہچہانا
فرزانہ اور فرحت اور تیسری تھی رفعت
ترکیب سوچنے کو تینوں کا بیٹھ جانا
یارب! انھیں عطا کر سکھ، چین، راحت، آرام
جن کے لیے لکھا ہے یہ پیار کا ترانہ
مت روکو سَر سَری کو، بچکانہ شاعری سے
چاچا پر اک بھتیجا لکھتا ہے والہانہ

محمد اسامہ سَرسَری

بابا کی فہرست

آصف محمود۔ جھنگ

"آخر بڑے بھائی جان ہمارے درمیان کیسا مقابلہ کرانا چاہتے ہیں؟"

فاروق نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"یہی بات تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" عثمان نے کہا۔

"توحید بھائی! آپ کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"نہیں! ذہن میں تو کوئی بات نہیں آ رہی... لیکن ہمیں سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بڑے بھائی جان نے آج کا کہا تھا کہ میں شام کو آ کر بتاؤں گا... تو وہ آنے ہی والے ہیں اور آ کر وہ بتا ہی دیں گے کہ وہ ہمارے درمیان کیا مقابلہ کرانا چاہتے ہیں... لیکن میرا تو اب کسی بھی مقابلے میں حصہ لینے کو دل نہیں کرتا، جب والد محترم ہوتے تھے تو وہ طرح طرح کے ہمارے درمیان مقابلے کرواتے تھے، ان کا بہت مزہ آتا تھا، لیکن اب وہ بات کہاں۔" توحید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"بڑے بھائی جان کی کل کی بات سن کر ابا جان کی یاد تازہ ہو گئی۔" فاروق نے کہا۔

"کون سی بات سن کر؟"

اچانک بڑے بھائی جان کی آواز ان چاروں کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آہ... ہا... آ گئے آپ!"

"ہاں بھئی... کون سی بات سن کر بابا جانی کی یاد تازہ ہو گئی؟"

"یہی انعامی مقابلے والی... جو آپ ہم چاروں کے درمیان کرانا چاہتے ہیں... پہلے بابا جانی بھی ایسا کرتے تھے... لیکن کل بہت عرصہ کے بعد آپ نے مقابلے کی بات کر کے ان کی یاد تازہ کر دی۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔"

"بس پھر اب جلدی سے بتا دیں کہ وہ مقابلہ کس قسم کا ہے جو آپ ہمارے درمیان کرانا چاہتے ہیں۔" چاروں نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں آپ کی بے چینی کو سمجھتا ہوں... اس لیے میں بغیر کچھ دیر کیے، اپنی بات شروع کرتا ہوں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم چاروں ایک ایک فہرست بناؤ، ایسی فہرست جو آج تک کسی نے نہ بنائی ہو۔"

"کیا فرمایا... فہرست؟"

آصف حیران ہو کر بولا۔

"ہاں! میں نے یہی لفظ بولا ہے فہرست۔"

"کیا یہ مقابلہ فہرست بنانے کا ہے" فاروق نے کہا۔

"ہاں!"

"بھلا یہ بھی کوئی مقابلہ ہے، یہ بھی کوئی کھیل ہے... ہم کس چیز کی فہرست بنائیں؟... وہ بھی ایسی جو آج تک کسی نے نہ بنائی ہو... عجیب بات کرتے ہیں بھائی جان آپ بھی۔" توحید مسکرایا۔

"یہ مقابلہ ہے یا مذاق ہے... آپ ہمیں کوئی اشارہ تو کریں... کہ اس قسم کی ہونی چاہیے... دنیا میں آپ جہاں بھی جائیں ہر طرح کی لسٹ، فہرست موجود ہے، ہوٹلوں میں کھانوں کی، لائبریری میں کتابوں کی، کلینک میں دواؤں کی، مطلب یہ کہ ہر جگہ ہر کام کی فہرست موجود ہے، اس صورت میں ہم کیسے فہرست بنا سکتے ہیں، ایسی جو کسی نے نہ بنائی ہو۔"

عثمان روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، ایک شخص نے ایسی فہرست بنائی ہے جو آج تک کسی نے نہیں بنائی ہو گی... اس لیے میں آپ چاروں کو دعوت دے رہا ہوں، اشارہ نہیں دوں گا، پھر مزہ نہیں آئے گا... میں تم لوگوں کو ایک ہفتے کا وقت دیتا ہوں۔" بڑے بھائی جان نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے، ہم کوشش کریں گے۔"

☆

"آپ چاروں کی فہرست میرے ہاتھ میں ہے، یہ میں نے دیکھ لی ہیں اور میں حیران ہوں، پریشان ہوں، آصف کی فہرست کو پڑھ کر... اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یہ فہرست کیسے بنالی۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ میرا کوئی کمال نہیں، یہ میں نے نہیں بنائی۔"

"تو پھر۔"

"یہ... یہ... تو... مم... میرے... میرے بابا کی فہرست ہے۔"

"بابا جانی کی فہرست؟" باقی سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں بابا جانی کی فہرست۔"

"کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ میں بابا جانی کے کمرے میں داخل ہوا... وہ معمول کے مطابق لکھنے میں مصروف تھے... میں اُن کے پاس جا کر بیٹھ گیا... میں نے دیکھا وہ ناموں کی ایک فہرست بنا رہے تھے، وہ مجھے دیکھ کر بہت پیار بھرے انداز میں مسکرائے... اپنے مخصوص دلفریب انداز میں کہنے لگے:

"ہاں بھئی کیا بات ہے؟"

میں نے ان کی بات کا جواب دیے بغیر اپنی طرف سے ایک سوال کر دیا کہ یہ آپ ناموں کی فہرست کیوں بنا رہے ہیں؟ میں نے مذاق میں کہہ دیا کہ کوئی شادی یا دعوت وغیرہ کر رہے ہیں کیا؟؟

کہنے لگے نہیں: "اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کیا کہنا ہے؟"

میں نے کہا: "میں تو ویسے ہی آ گیا تھا، لیکن اب تو میں جان کر رہوں گا کہ آپ یہ نام کیوں لکھ رہے ہیں۔" تب میرے ضد کرنے پر انہوں نے کہا:

"میں مُردوں کے ناموں کی فہرست بنا رہا ہوں۔"

"کیا... مُردوں کے ناموں کی لسٹ؟"

"ہاں! اکثر میں سوچتا ہوں کہ مجھ سے پہلے کتنے لوگ اس دنیا سے چلے گئے ہیں، کتنے میرے خاندان کے کتنے رشتے دار کتنا عرصے پہلے فوت ہو چکے ہیں، میں سب کو بھول چکا ہوں... یاد نہیں کتنے میرے اپنے اس دنیا میں نہیں ہیں، مجھے صرف اپنے گھر کے افراد جو فوت ہو چکے وہ تو یاد ہیں، باقی یاد نہیں لیکن ہیں تو وہ بھی میرے اپنے ناں... اپنے گھر کے افراد جو فوت ہو چکے ہیں، ان کے لیے تو میں پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتا رہتا ہوں... لیکن خاندان والے، رشتے دار یہ لوگ جو جا چکے ہیں، وہ کہاں جائیں گے۔ ان کے لیے بھی پڑھنا چاہیے، اس لیے میں نے سوچا کیوں نہ ان مردوں کی ایک فہرست بنائی جائے، تاکہ ان کے نام لے

میرے سسر میرے محسن

محمد عثمان حنفی۔ جھنگ

شادی کے کچھ عرصہ بعد میں نے ان کی نسبت چند باتیں لکھ کر حاجی صاحب کو دیں۔ عرض کیا، بچوں کا اسلام میں اگر یہ مناسب سمجھیں تو لگا دیں۔ فرمانے لگے، یہ کہانی تو میں نے لکھنا تھی اور میری کہانی کا عنوان تھا: وہ لمحہ!

میں نے عرض کیا، آپ لکھ دیں، میری رہنے دیں، بہتر یہی ہے تو فرمانے لگے:

"نہیں اب یہی لگاؤں گا۔"

پھر ہم سب گھر والوں نے اصرار کیا کہ چلیں وہ کہانی ہمیں سنا دیں جو آپ نے لکھنا تھی۔ فرمایا: ایک دن میں نے نماز پڑھی (عثمان حنفی) کے پیچھے، چوں کہ حضرت حاجی صاحب ہماری مسجد کے مستقل نمازی تھے اور فجر کی نماز کے بعد درس حدیث بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی عادت مبارکہ تھی، نماز کے بعد کافی دیر تک اپنی انفرادی دعا مانگتے رہتے تھے۔ فرماتے ہیں، نماز پڑھی، سلام کے بعد دعا مانگنی شروع کی۔ کچھ دیر بعد مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا کہ میں دعا میں کچھ عجیب سے الفاظ کہہ رہا ہوں۔ میں نے الفاظ پر غور کیا، پھر انھیں دہرانا شروع کر دیا۔ وہ الفاظ یہ تھے: "یا اللہ یہ نوجوان میری بیٹی کے لیے مجھے دے دیں۔"

فرمانے لگے کہ جب اچانک میں نے اپنے الفاظ پر غور کیا تو میں دھک سے رہ گیا کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ میں نے تو اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کہیں کر دی ہے۔ پھر میں نے اپنے الفاظ پر غور کیا کہ یہ اگر ہو جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ فرمانے لگے:

وہ لمحہ، قبولیت کا تھا، جب میری زبان سے یہ الفاظ بے خیالی میں جاری ہوئے، پھر اللہ نے دونوں خاندانوں کی طرف سے بہت سارے مسائل کے باوجود حضرت حاجی صاحب کی دعا کی برکت کی وجہ سے یہ معاملہ آسان بنا دیا۔

یقیناً انہیں مجھ سے ہر لحاظ سے بہت بہتر داماد مل جاتے، لیکن ان کا مجھ ناچیز پر اتنا اعتماد اور اتنی محبت، میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ حاجی صاحب کا مجھے اپنے داماد کے طور پر پسند کرنا، ان کا میرے اوپر احسان ہے اور میرے لیے اعزاز!

جب شادی کے دن قریب آئے تو مسجد سے نکلتے ہوئے میں نے مصافحہ کیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اگر میرے گھر والے آپ سے پوچھیں کہ آپ کی ماہانہ آمدنی کتنی ہوتی ہے تو ان سے کہہ دینا، میں مسجد میں نمازیں پڑھاتا ہوں، ساڑھے پانچ ہزار وہ دیتے ہیں، کچھ ادھر اُدھر پڑھانے سے مل جاتے ہیں، کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا، لیکن میں تو بالکل کچھ نہیں کماتا۔ مسجد سے تو میرے بڑے بھائی حضرت قاری بلال وظیفہ لیتے ہیں، میں تو ان کی جگہ پڑھانے آتا ہوں۔

فرمانے لگے:

آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ان شاء اللہ کچھ تعاون کر دیا کروں گا۔ کچھ میری بچی اسکول پڑھاتی ہے، اس طرح نظام چل جائے گا، بس آپ گھر والوں سے کہہ دیں۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے، جیسے آپ کا حکم ہو۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد میں نے اپنی اہلیہ سے اسکول چھڑوا دیا۔ بڑے بھائی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بھائی کی جگہ امامت کی ذمہ داری مجھے مل گئی، لیکن پہلے دن سے ہی ہمیں کرائے پر مکان حاجی صاحب نے لے کر دیا۔ کرایہ بھی حاجی صاحب عنایت فرماتے رہے۔ (باقی صفحہ 9 پر)

لے کر ان کو بھی ثواب ہدیہ کیا جائے، تاکہ ان کے بھی درجات بلند ہوں، ان کی قبر بھی منور ہو، یہ لوگ ہمارے منتظر ہوتے ہیں، ہمیں ان کو یاد رکھنا چاہیے... بس اسی لیے میں نے یہ نام لکھے... اور سوچتے اور یاد کرتے پر، اتنے نام نکل آئیں گے کا بالکل اندازہ نہیں تھا... اب ان شاء اللہ میں ان سب کو بھی یاد رکھوں گا..."

میں حیرت سے ان کے پرنور چہرے کو دیکھتا رہا، پھر یہ کہہ کر چلا آیا۔

"بابا جانی! واقعی آپ کی سوچ بہت اچھی ہے... بہت ہی اچھی!"

بابا جانی کی محبت ان لوگوں کے لیے دیکھ کر بھی جو اس دنیا میں نہیں ہیں، میں نے کبھی ایسا کام نہیں کیا جس سے جانے والوں کا کوئی فائدہ ہو... لیکن اب جب اس بابا کی فہرست میں ہمارے بابا جانی بھی آگئے ہیں تو ہر وقت ایک بے چینی اور فکر رہتی ہے کہ بس ان کو پڑھ کر ایصال ثواب کرتا رہوں، جو کچھ بھی پڑھوں، صدقہ کروں، کوئی نیک کام کروں، ان کو اس کا ثواب بھیجتا رہوں... ہر وقت اسی سوچ میں رہتا ہوں بابا کی فہرست، فہرست نہیں... ایک پیغام، ایک حکم ہے، ہمارے لیے کہ قبر میں اکیلا نہیں ہوں، ہمارے اور بھی خاندان کے لوگ، رشتے دار ہیں جن کو ہمیں یاد رکھنا چاہیے اور امت مسلمہ کو بھی... سو بھائی جان آپ کے مقابلے کی بات سن کر میں نے یہ فہرست پیش کر دی... کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں شاید ہی مُردوں کی فہرست کسی نے بنائی ہوگی۔"

آصف کہتا چلا گیا۔

"ہاں ہاں! واقعی! کسی نے نہیں بنائی ہوگی۔" عثمان نے کہا۔

"اور میں بھی بھائی جان، ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔" فاروق بھی بول اٹھا۔

"اور وہ کیا؟" توحید نے کہا۔

"یہی کہ بابا کی فہرست، ان کا یہ عمل بابا جانی کو پڑھنے والے تمام لوگوں تک پہنچایا جائے... تاکہ تمام قارئین بھی اپنے پیاروں کی ایسی فہرست بنائیں اور ایصالِ ثواب کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کی عادت بنا لیں اور ان میں ہمارے والد صاحب کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں۔"

ادھر بڑے بھائی ڈاکٹر نوید کہہ رہے تھے کہ انعام کے حق دار تو پھر بابا جانی ہی ٹھہرے۔

موت کا فرشتہ

قاری عبدالرحمن ۔ کراچی

حضرت اشتیاق جب بھی کراچی آتے، یہاں قیام کے دوران کچھ نہ کچھ لکھنے کا معمول رہتا تھا، مثلاً کہیں کسی تقریب میں کچھ کہنے کے لیے لکھ کر لے جاتے، کسی کتاب کا اشتہار لکھ دیتے، ایک دو بار بچوں کا اسلام کی 'دو باتیں' یہاں لکھیں۔ البتہ معمول کا کام ضرور متاثر ہوتا، جب بھی آنا ہوتا کہتے: "آنے سے پہلے اور جانے کے بعد کام کی رفتار اور وقت کی مقدار میں کافی اضافہ کرنا پڑتا ہے، تاکہ تمام کام بروقت مکمل ہو سکیں۔ ہمیشہ کسی نہ کسی کتاب کا مسودہ ساتھ ضرور ہوتا، وقت ملتا تو اس پر کام کر لیتے۔ اس بار غالباً مسودہ پاس کوئی نہیں تھا، لیکن لکھنے کے لیے کاغذ ساتھ رکھے تھے۔ البتہ ارادے، چاہت اور خواہش کے باوجود آخری 6 دن میں لکھنے کا کوئی کام نہ کر سکے۔ گویا آخری دورے میں آٹو گراف لینے والوں کے لیے جو شعر یا کوئی جملہ لکھتے اور دستخط کیا کرتے، بس وہی کیے جا سکے۔ کوئی نئی تحریر یا کہانی نہیں لکھ سکے تھے۔ 17 نومبر کو کراچی ائیر پورٹ پر جہاز کے وقت سے تقریباً پونے دو گھنٹے پہلے پہنچ گئے تھے۔

میں نے ان سے کہا:

"آپ کے پاس کافی وقت ہے، ضد کر کے آپ ائیر پورٹ چلے آئے ہیں، اب لکھ لیجیے گا۔"

میں نے برادرم ڈاکٹر نوید احمد سے پوچھا: اشتیاق صاحب کے بیگ سے کوئی تحریر ملی یا نہیں؟ جاننا یہ چاہ رہا تھا کہ کراچی ائیر پورٹ پر انہوں نے کچھ لکھا تھا یا نہیں۔ بیگ تو میں ہی جھنگ لے گیا تھا، لیکن وہ بیگ اب حضرت اشتیاق رحمہ اللہ کا نہیں تھا، وہ اب ان کے ورثا کی امانت تھی، اس لیے میں نے بیگ کھولا نہیں۔

جو جو چیز جیسے میرے ہاتھ لگی، اسے ویسے ہی سنبھالتا گیا۔ جھنگ پہنچ کر بھائی نوید کو سب چیزیں دے دیں، البتہ ایک تسبیح میری جیب میں رہ گئی تھی، یقیناً اشتیاق صاحب تسبیح پڑھ رہے ہوں گے، جب انہیں تکلیف شروع ہوئی تو اس دوران گر گئی ہوگی۔ جہاز کے عملے نے مجھے دی، جو میں نے جیب میں ڈالی تو جیب میں ہی رہ گئی، جھنگ سے واپسی پر راستے میں دیکھی، میں نے فوراً بھائی نوید کو بتایا تو انہوں نے کہا:

"یہ آپ کی ہوئی، اس کو آپ استعمال کیجیے۔"

میں نے کہا:

"وہ وراثت کا حصہ ہے، میرے لیے سعادت ہوگی کہ ان کے سارے ورثا مجھے اپنی خوشی سے وہ تسبیح دیں۔"

بہر حال بات یہ چلی تھی کہ ائیر پورٹ پر اشتیاق صاحب نے کچھ لکھا تھا یا نہیں؟

جب بھائی نوید سے پوچھا تو انہوں نے بتایا۔ بیگ سے کسی قسم کی کوئی تحریر نہیں ملی ۔ یہ بات بہ ظاہر بہت عجیب ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ خلاف معمول ائیر پورٹ پر بھی انہوں نے کچھ نہیں لکھا تھا، ورنہ ہمیشہ ایسا موقع ضایع کرنا یا لکھے بغیر گزارنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یقیناً میری طرح دیگر قارئین کو بھی یہ جاننے کا اشتیاق ہوگا کہ 800 ناول اور ہزاروں کہانیاں اور افسانے لکھنے والے اس عظیم لکھاری، مصنف اور ادیب کی آخری تحریر کون سی ہے؟ یہ بات ان کے بیٹے اور گھر والے ہی بتا سکتے تھے۔ جب بھائی نوید نے سارا سامان دیکھا، تمام تحریریں دیکھیں، بھائیوں سے معلومات لیں تو پتا چلا کہ بچوں کا اسلام شمارہ 705 مکمل کر چکے تھے، 706 کی دو باتیں بھی لکھ چکے تھے...... لیکن آخری تحریر ان میں سے کون سی تھی یا ان کے علاوہ کوئی اور تھی؟ یہ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

ہمارے ایک دوست اور مہربان ساتھی ان سے قصص القرآن اور قصص الحدیث لکھوا رہے تھے۔ قصص القرآن تو مکمل ہو چکی تھی، کمپوزنگ ہو رہی تھی اور قصص الحدیث پر کام جاری تھا۔ اس سیریز کے ناشر حضرتِ اشتیاق سے کچھ اور کتابچے بھی لکھوانا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت اشتیاق سے اس بارے میں کہا تھا۔

اشتیاق صاحب نے مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ قصص الحدیث کے باقی کام پر تقریباً ڈیڑھ ماہ لگے گا، اس کے بعد کیا کیا جائے، انہی ناشر کی فرمائش پر کچھ لکھا جائے، یا کوئی دوسرا کام شروع کیا جائے؟ کئی کاموں کی بابت مشورہ ہو رہا تھا۔ میں نے ان سے طے یہ کیا تھا کہ بارہ ربیع الاول اور پچیس دسمبر کی چھٹیاں ایک ساتھ آ رہی ہیں، ایک دن کے وقفے سے اتوار ہوگا، تو میں ہفتے کے روز کی چھٹی لے کر آپ کے پاس آ جاؤں گا، جہاں اور کچھ چیزیں طے کرنی ہیں، اس پر بھی مشورہ کر لیں گے۔

یہ سوال بہت اہم تھا کہ پتا چلے آخری تحریر کون سی تھی؟

بھائی نوید احمد نے جب تمام چیزوں اور تحریروں کا جائزہ لیا تو قصص الحدیث کا مسودہ بھی ملا، جس کے بڑے سائز کے تیرہ صفحات حضرت لکھ چکے تھے۔ سب کچھ دیکھنے کے بعد پتا چلا کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے جو تحریر لکھی تھی، وہ قصص الحدیث کا حصہ ہے۔ سفر تو کراچی تک کا تھا، لیکن پھر ایسا سفر بن گیا، جس سے آج تک کسی کی واپسی نہیں ہوئی۔

موت کے اس مسافر کی آخری تحریر تھی: "موت کا فرشتہ!"

بقیہ: کچھ یادیں، کچھ باتیں

تربیلا جھیل کی لذیذ مچھلی کھلانے کے لیے کشتی کی سیر کے بہانے سازش کا جال تیار کیا۔ اس لیے اب آپ نہ صرف رات کے کھانے پر مچھلی سے لطف اندوز ہوں گے بلکہ رات کو قیام بھی ہمارے ہاں ہی کریں گے کیوں کہ ہم اس سب کی تیاری جھیل کی سیر کو روانہ ہونے سے قبل کر چکے تھے۔

اشتیاق احمد صاحب جو بڑے بڑے مجرموں کو اپنے جال میں پھنسا لیتے تھے، آج اپنے ناول کے قارئین کے ہاتھوں ان کی سازش کے جال میں پھنس چکے تھے۔ میں نے چپکے سے اشتیاق احمد صاحب سے کہا کہ فاروق اور محمود کی طرح یہ بھی آپ کے کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے، جس پر وہ بے اختیار مسکرا پڑے۔

اشتیاق احمد صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے 30 برس بے شمار یادوں اور واقعات سے بھرے پڑے ہیں لیکن خاص نمبر کے صفحات کی تنگ دامنی پر یہیں اپنا قلم روک رہا ہوں کہ کبھی موقع ملا تو پھر ان بھولے بسرے دنوں کا تذکرہ ہوگا۔

☆☆☆

ہمارے اشتیاق صاحب

محمد اسماعیل ریحان

اشتیاق صاحب سے تعلق کا آغاز اس وقت ہوا، جب میں آٹھ برس کا تھا۔ اسکول کے بچوں کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی کہانیاں پڑھنے کے شوق نے آن دبوچا۔ لاہور سے چھپنے والے 'ماہنامہ جگنو' میں ایک کہانی 'موت کا پھندا' کی پہلی قسط چھپی جس کی سنسنی خیزی نے مجھے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر مہینے یہ فکر ستاتی رہتی کہ آگے کیا ہوگا؟ 'موت کا پھندا' کی غالباً پندرہ یا سولہ قسطیں تھیں۔ چوتھی جماعت سے پانچویں تک اشتیاق احمد کے کئی ناول، کچھ خرید کر اور کچھ دوستوں سے لے لے کر پڑھ ڈالے۔ سب سے پہلا ناول جو خرید کر پڑھا وہ ''گولیوں کی وبا'' تھا۔ غالباً اس کی قیمت چار روپے تھی۔ اس کے بعد 'عمارت میں بم' پڑھا اور بہت متاثر ہوا، پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور آٹھویں تک پہنچتے پہنچتے نا معلوم کتنے ہی ناول پڑھ ڈالے۔ اس دوران اشتیاق احمد کے ناولوں میں مذہبی رنگ گہرا ہونے لگا۔ 'وادی مرجان' میں ان کے قلم نے ختم نبوت کے دفاع کا کام کیا۔ 'جاپانی فتنہ' میں انہوں نے مزید واضح انداز میں یہ اہم مسئلہ بچوں کے ذہنوں میں بٹھایا۔ اسی دوران انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی۔

میٹرک کے بعد میں نے دینی تعلیم کے ماحول میں قدم رکھا تو دس سال تک یکسوئی سے تحصیل علم میں مشغولیت رہی، تاہم اس دوران بھی جناب اشتیاق احمد کی تحریروں سے کبھی کبھار دل بہلانے کا موقع مل جاتا۔ اب ان کے ناولوں کی تعداد سینکڑوں کو پہنچ رہی تھی۔ افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کے قیام سے بہت پہلے انہوں نے اپنے ناول 'جنت میں قتل' میں ایک خالص اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا تھا جو کئی سال بعد معرض وجود میں آنے والی طالبان حکومت سے مکمل مطابقت رکھتا تھا۔

تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد جب میں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو قدم قدم پر ایسے لوگ ملے جو بچپن اور لڑکپن میں جناب اشتیاق احمد کے ناول پڑھتے رہے تھے اور اب ان میں اسلامی سوچ، مذہبی بیداری اور قومی شعور کے اثرات واضح محسوس ہوتے تھے۔ افغانستان پر امریکی حملے اور طالبان حکومت کے سقوط کے بعد روزنامہ اسلام میں ان کا مضمون ''وہ'' چھپا جو بلاشبہ ایک یادگار تحریر تھی۔ یہی مضمون ''امید'' کے عنوان سے دوبارہ ضرب مومن میں شائع ہوا۔

اس کے بعد ضرب مومن اور روزنامہ اسلام کی انتظامیہ نے اشتیاق احمد صاحب سے رابطہ کیا۔ روزنامہ اسلام کے مسئول قاری عبدالرحمٰن خود جھنگ گئے اور اشتیاق صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے تیس سالہ تجربے کا نچوڑ ان صفحات کے ذریعے بچوں کے لیے پیش کریں۔ اشتیاق صاحب نے پہلے ہفت روزہ ضرب مومن میں بچوں کے لیے ''نبوت کے جھوٹے دعوے دار کی سچی کہانی'' لکھنا شروع کی۔ پھر روزنامہ اسلام میں ''مکالمہ'' کے عنوان سے کالم نویسی کا آغاز کیا۔

اس کے بعد جون 2002ء میں جب بچوں کا اسلام شروع کرنے کا فیصلہ ہوا تو اس کی ادارت انہی کے سپرد ہوئی۔ اس کی ترتیب طے کرنے کے لیے اشتیاق صاحب کراچی دفتر آئے تو وہاں اپنے محبوب مصنف سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ دفتر کے مہمان خانے زمین پر بچھے گدے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سنت کے مطابق ڈاڑھی جس کے اکثر بال سفید ہو چکے ہیں، ان کی شخصیت کو عجب وقار بخش رہی تھی۔ ان کے چہرے پر وہی معصومیت اور سادگی تھی جس کے لیے وہ مشہور ہیں۔ میں نے ان سے ڈھیروں باتیں کیں۔ ان کو وہ پوری داستان تفصیل سے سنائی جو قارئین کے لیے اوپر مختصراً تحریر کی ہے۔ طرح طرح کے سوالات کیے۔ وہ بڑی ملنساری، بے تکلفی اور خوش اخلاقی سے میری ہر بات کا جواب دیتے رہے۔

قسمت کی بات کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے کراچی دفتر میں بچوں کا اسلام کی خدمت میرے ذمے لگا دی۔ یوں اشتیاق صاحب سے روزانہ رابطے کا موقع مل گیا۔ آٹھ سال تک اشتیاق صاحب کے ماتحت کام کیا۔ وہ ہمارے مخدوم تھے، بہت سینئر تھے۔ عمر میں ان کے بچوں کی جگہ تھا مگر بچوں کا اسلام کی تیاری کے دوران انہوں نے ہمیشہ یوں ظاہر کیا جیسے ہم گہرے دوست ہوں۔ بہت ملنسار، سادہ اور ہمدرد انسان تھے۔ صرف ضابطے کا تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ہماری خوشی، غمی، پریشانی اور الجھنوں میں بھی شریک رہتے تھے۔

2010ء میں جب بچوں کا اسلام سے میری تشکیل خواتین کا اسلام میں ہوئی تو اشتیاق صاحب دل گرفتہ تھے کہ اتنا پرانا ساتھ چھوٹ رہا ہے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ ہمارا برابر رابطہ رہے گا۔ الحمدللہ اس کے بعد بھی تعلق ویسا ہی رہا۔ فون پر تو اکثر بات چیت ہوتی تھی۔ کبھی فون کرنے میں چند دن کا ناغہ ہو جاتا تو اس کے بعد میری کال سن کر وعلیکم السلام کے ساتھ ہی فوراً کہتے: ''لگتا ہے آپ مجھے بھولتے جا رہے ہیں؟''

یہ اظہار محبت کا ایک انداز تھا۔ میں وعدہ کرتا کہ اب جلدی جلدی فون کروں گا۔ میں نے جھنگ کے کئی سفر کیے ہیں۔ ایک کے سوا تمام کا مقصد صرف اشتیاق صاحب کی ملاقات تھا۔ ان کی محبت وشفقت ہر ملاقات کو یادگار بنا دیتی۔

اللہ تعالیٰ نے ضرب مومن اور روزنامہ اسلام سے وابستہ کر کے ان سے دین کی بڑی خدمت لی۔ بچوں کا اسلام کی 14 سالہ ادارت میں انہوں نے اس کونپل کو ایک تناور درخت بنا دیا۔ درجنوں بچے اور بچیاں ان کے زیر سایہ قلم کاری کی تربیت پا کر آج ملک کے مشہور لکھنے والوں میں شامل ہو چکے ہیں۔

اشتیاق صاحب کے چلے جانے کے بعد دنیائے ادب میں ان کے پائے کا کوئی شخص دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ لکھنے والے بہت ہیں مگر اشتیاق صاحب جیسا کوئی نہیں۔ ادب وصحافت اور میڈیا کی دنیا، حرص ولالچ کی دنیا ہے۔ جھوٹی شہرت کے پیچھے بھاگنے والوں کی دنیا ہے۔ جھوٹ اور مکاری کے ذریعے آگے بڑھنے اور دوسروں کے سروں کو سیڑھی بنانے والوں کی دنیا ہے۔ اس میدان میں بھی دامن پاک رکھ کر اور ضمیر و ایمان کی متاع بچا کر چلنا ایسا ہے جیسے دریا میں چل کر دامن تر ہونے سے بچانا۔

اشتیاق صاحب یہ کر کے دکھا گئے۔ ان کی زندگی ہمارے لیے ایک شمع کی طرح ہے جس سے ہم جب چاہیں رہنمائی کی روشنی لے سکتے ہیں، کیونکہ وہ اپنا ذہن، اپنا پیغام اور اپنا درد دل اپنی کتابوں، کہانیوں، ناولوں اور بچوں کا اسلام کے سینکڑوں شماروں کی صورت میں ہمارے لیے محفوظ کر گئے ہیں۔

اللہ رب العزت ان کو اپنا خصوصی قرب عطا فرمائے، آمین۔

زندہ دل اشتیاق

انسان فانی ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ اس کی یادیں فانی نہیں ...... یہ گویا ابھی کل ہی کی بات ہے کہ اشتیاق صاحب کا فون آتا اور اس میں ان کی زوردار ہنسی چھا جاتی...... بعض اوقات میں نے کہا بھی کہ آپ کی آواز باریک ہے، اس لیے کہیں میری اہلیہ کو 'دوسری' کا شبہ نہ ہو جائے۔

اس پر اور زوردار قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ آپ کراچی والے بیویوں سے بہت ڈرتے ہیں!

میں نے عرض کیا کہ ہر شریف آدمی بیوی سے ڈرتا ہے۔ آپ نے اکبر الٰہ آبادی کا شعر نہیں سنا کہ

اکبر کبھی ڈرے نہیں سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے

پنجاب کے پہلے سفر میں جھنگ حاضری پر انہوں نے ہمارے سب ساتھیوں کو بہترین ظہرانہ دیا پھر جب دوسرے سفر سے قبل ان سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے جھنگ حاضری کے بارے میں دریافت کیا۔

میں نے کہا کہ اگر ہم حاضر ہوں گے تو آپ کو پندرہ آدمیوں کی دعوت کرنا ہوگی لیکن اگر آپ خود ہی بہاولپور آ جائیں تو ہم آپ کی دعوت کریں گے۔

اس پر فوراً کہا: ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں بہاولپور حاضر ہو جاؤں گا۔''

اثر جونپوری

اب ہنسنے کی باری میری تھی مگر خوش اسلوبی سے جان چھڑا لی...... پھر بہاولپور میں مفتی جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے پاس فون آیا اور کہنے لگے کہ اگر تم کسی بڑے شیخ اور پیر صاحب کے مرید ہوتو میں بھی ایک معروف رسالے کا مدیر ہوں، مقابلہ برابر ہے۔

پھر فرمایا کہ تم آئے بھی ہوتو ایسے موسم میں جبکہ آم معدوم ہے، اب تمہاری دعوت کس چیز کی کریں؟

میں نے وہاں کی شدید گرمی کے حوالے سے عرض کیا کہ اگر میں آم کے موسم میں آؤں گا تو گرمی سے خود پک جاؤں گا۔

اس پر پھر قہقہہ لگایا۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ بہاولپور تشریف نہ لا سکے اور یوں ہم ان کی ملاقات سے محروم رہ گئے۔ فون پر اکثر بندے کے ساتھ آم کی خیریت بھی معلوم کرتے رہتے۔

ایک بار قاری صاحب کے گھر میں ان کے ساتھ آم کھانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس دوران بھی وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھے۔ عام طور پر ان سے گفتگو کر کے ذہنی تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ وہ خود بھی زندہ دل اور دوسروں کو بھی ہنستا بستا دیکھنا چاہتے تھے۔

شاعر نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے کہ

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے دیکھے نہ ہوں شاید مگر ایسے بھی ہیں

مجھے خیال آتا ہے کہ قبر میں بھی انہوں نے فرشتوں سے دو باتیں کی ہوں گی اور فرشتے بھی ان کے گرویدہ ہو گئے ہوں گے اور جنت کی کھڑکی ان کے لیے کھول دی گئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمائے اور مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، درجات بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

کچھ یادیں کچھ باتیں

افتخار کھوکھر۔ اسلام آباد

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ زندگی میں پہلی ہی ملاقات، عمر بھر کے تعلقات پر محیط ہو جاتی ہے۔ ایسے خوش قسمت افراد میں اپنے بہت ہی پیارے، ملنسار اور غمگسار اشتیاق احمد شامل تھے، جن کو "ہے" کی بجائے "تھے" لکھتے ہوئے ذہن وقلب اس بات پر آمادہ و تیار نہیں کہ وہ 30 سال کی طویل دوستی کو یوں اچانک ابدی جدائی میں بدل دیں گے لیکن حکم قرآنی ہے کہ ہر ذی روح نے بالآخر موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ذیلی ادارے "دعوۃ اکیڈمی" کے تحت مئی 1987ء میں نئی نسل کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور ان کے لیے دل چسپ اور بامقصد ادب کی تیاری کے لیے شعبہ "بچوں کا ادب" کا قیام عمل میں آیا تو بچوں کے لیے لکھنے والے جن نمایاں اور معروف ادیبوں سے پہلی بار باضابطہ رابطہ ہوا، ان میں بچوں کے لیے دل چسپ جاسوسی ادب تخلیق کرنے والے اشتیاق احمد بھی شامل تھے۔

یہ موسم گرما کی تپتی دوپہر تھی، جب میں پہلی بار اشتیاق احمد سے ملاقات کے لیے اسلام آباد سے سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ میں واقع ان کے دفتر نما مکان پر حاضر ہوا۔ میز پر کچھ ناول اور کتب پڑی تھیں، جبکہ میز کے پیچھے کرسی پر بچوں کے ادب کی چھوٹے قد کی بہت بڑی شخصیت جلوہ افروز تھی۔ میز کے بائیں جانب ایک ریک پر ہومیوپیتھی کی شیشیاں ایک ترتیب کے ساتھ موجود تھیں۔ کمرے سے باہر صحن میں امرود کے درخت پر لٹکے ہوئے امرود ہر آنے والے مہمان کے منتظر تھے۔ سیٹلائٹ ٹاؤن والا یہ مکان بعد میں اشتیاق احمد نے مسجد کے لیے وقف کر دیا اور خود باز ار لوہاراں والے آبائی گھر واپس آ گئے۔

بچوں کے ادب پر کام کرتے ہوئے میں جب بھی کوئی نیا خیال اور آئیڈیا سوچتا تو اس کام کے آغاز سے پہلے اشتیاق احمد صاحب سے ٹیلیفونک رابطہ ضرور کرتا، تاکہ اس خیال اور آئیڈیے میں زیادہ نکھار آ جائے اور بچوں کے ادب کے فروغ کے لیے زیادہ بامقصد اور مفید بن سکے۔ اشتیاق احمد صاحب میرے، بچوں کے لیے ہر ماہ ناول باقاعدگی سے بھجوایا کرتے تھے اور فون کے ذریعے ان کی بروقت وصولی اور بچوں کی رائے بھی جانتے۔ مجھے کہتے کہ آپ تو شعبہ بچوں کا ادب کی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں، آپ کو ناول پڑھنے کا موقع نہیں ملتا ہوگا، لیکن اس کے باوجود میں بھی وقت نکال کر کم صفحات والے ناول ضرور پڑھتا اور اپنی رائے سے آگاہ کرتا۔ اشتیاق احمد صاحب بچوں کے بہت بڑے ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ہومیوپیتھک طریقہ علاج کے بھی بہت ماہر تھے۔ مجھے ذاتی طور پر ایلوپیتھک اور یونانی طب کے مقابلے میں ہومیوپیتھک طریقہ علاج زیادہ پسند ہے۔ اس لیے اکثر و بیشتر روزمرہ کی بیماریوں کے علاج کے لیے مرض کی علامات فون پر بتا کر ان کی تجویز کردہ دوا استعمال کرتا تو بہت جلد تکلیف دور ہو جاتی تھی، اس طرح اشتیاق احمد میرے ٹیلی فونک معالج بھی تھے۔

بچوں کے ادب کے حوالے سے پاکستان بھر میں جب اور جہاں بھی کسی کیمپ، ورکشاپ یا سیمینار کا پروگرام بنایا تو اس میں اشتیاق احمد صاحب میری درخواست اور خواہش پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود شرکت کرتے تھے۔ ان مواقع پر ان سے مل کر بے حد خوشی اور اطمینان قلب ہوتا تھا کہ بچوں کے ادب کے لیے اپنے صبح وشام وقف کرنے والے اشتیاق صاحب میں کتنی سادگی اور قول وعمل میں کس قدر یکسانیت ہے۔

اشتیاق احمد صاحب عام طور پر پہاڑی علاقوں کے سفر سے گریز کرتے تھے۔ اس لیے میری دعوت پر خان پور ایوبیہ مری اور زیارت بلوچستان میں ہونے والے بچوں کے تربیتی کیمپوں میں شرکت سے گریز کرتے رہے، لیکن ایک بار کہنے لگے کہ مجھے مانسہرہ کی سرسبز وشاداب وادیاں دیکھنے کا بہت شوق ہے، اس کے لیے کوئی پروگرام بنایا جائے۔ ان دنوں اشتیاق احمد صاحب دارالسلام پبلشرز لاہور کے لیے بھی بچوں کی کتب لکھ رہے تھے، اس لیے پروگرام بنا کہ جب اشتیاق صاحب کام کے سلسلے میں لاہور جائیں گے، وہاں سے دارالسلام کے شعبہ اطفال کے انچارج محمد طارق شاہد صاحب کے ساتھ میرے ہاں اسلام آباد آئیں گے۔ رات قیام کے بعد اگلے روز مانسہرہ کے لیے روانگی ہوگی۔

حسب پروگرام اشتیاق احمد صاحب اور محمد طارق شاہد صاحب نے رات میرے ہاں قیام کیا اور اگلے روز صبح نو بجے مانسہرہ کے لیے روانگی ہوئی۔ دوران سفر راقم الحروف نے ہری پور میں بچوں کے ادیبوں راحت عباس اعوان اور عطاء المصطفیٰ سعید سے رابطہ کیا کہ ہری پور میں تھوڑی دیر کے لیے وہاں رکا جا سکتا ہے۔ راحت عباس صاحب نے کہا کہ ہری پور سے گزرتے ہوئے تاریخی تربیلا ڈیم کی سیر نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ اس لیے آپ اپنے پروگرام میں تربیلا ڈیم کی سیر کو ضرور شامل کریں۔ ہمارے انکار کے باوجود انہوں نے تربیلا ڈیم کے منتظمین سے ہری پور پہنچنے سے پہلے اجازت حاصل کر لی اور اس طرح ہم نے پاکستان کے سب سے بڑے تربیلا ڈیم اور وہاں سے بجلی کی تیاری کے تمام مراحل کو دیکھا۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ عباس راحت اعوان کے ہاں کھانے اور نماز کے بعد مانسہرہ کا ارادہ کیا تو بچوں کے ادیب عطاء المصطفیٰ سعید نے اصرار کیا کہ خالی خولی تربیلا ڈیم دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، جب تک وسیع وعریض تربیلا جھیل کی موٹر لانچ کے ذریعے سیر نہ کی جائے۔ اشتیاق احمد صاحب کا خیال تھا کہ نماز مغرب سے پہلے ہر صورت مانسہرہ پہنچنا چاہیے لیکن عباس راحت اعوان، عطاء المصطفیٰ سعید اور شجاعت خان کے بے حد اصرار پر موٹر لانچ کے ذریعے تربیلا جھیل کی سیر کا پروگرام بن ہی گیا۔ خیال تھا کہ ہم نماز مغرب سے بہت پہلے مانسہرہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے، لیکن ہری پور کے ادیبوں کے کچھ اور ہی ارادے تھے۔ وہ موٹر لانچ کو تربیلا جھیل میں اس قدر دور لے گئے کہ مغرب سے پہلے جھیل کے کنارے پر واپسی ممکن نہیں تھی۔ ایسے میں عطاء المصطفیٰ سعید نے کہا کہ اشتیاق احمد صاحب اپنے ناولوں میں مجرموں کی گرفتاری کے لیے مختلف جال بُنتے ہیں۔ آج ہم نے بچوں کے ممتاز ترین ناول نگار اشتیاق احمد اور ان کے ساتھیوں کو رات کے کھانے پر (باقی صفحہ 12 پر)

آہ! اشتیاق احمد

نمازِ فجر کے فوراً بعد، روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کے عین سامنے، اشتیاق احمد ایک ستون کے قریب اس حالت میں باادب کھڑے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی رواں تھی۔ داڑھی اور رخسار اشکوں سے تر تھے۔ وہ نہایت عقیدت، پیار اور درد مندی سے روضہ رسول ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میری نظر ان پر پڑی تو میں بے ساختہ ان کی طرف بڑھا۔ انہوں نے بہت نرمی سے میرا ہاتھ تھاما اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اشتیاق احمد عشق رسول ﷺ میں پوری طرح جذب اور اپنے گرد و پیش سے مکمل طور پر بے نیاز ہیں۔ ان کا رواں رواں اس لافانی جذبے کی سرشاری میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہوا یوں کہ ایک بار میں اور مرحوم اشتیاق احمد عمرے کے دوران مدینہ منورہ میں اتفاقاً مل گئے اور یہ لمحے یادگار بن گئے۔ اپنی کتاب 'سفر نامہ عمرے کا' میں انہوں نے ہماری ملاقاتوں کا احوال بہت تفصیل اور محبت سے سپردِ قلم کیا ہے۔ ان کے شاہکار جاسوسی ناولوں نے بچپن میں ہی مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ ایک مدت بعد 2004ء میں میری پہلی ملاقات ان سے سرگودھا میں ہوئی جہاں میں بہ سلسلہ ملازمت تعینات تھا۔ مرحوم اشتیاق احمد خصوصی طور پر جھنگ سے تشریف لائے اور ہم نے ایک مختصر سی تقریب میں انہیں شیلڈ پیش کی۔ اس ملاقات کا احوال انہوں نے اپنے ناول پر اسرار خوف کی دو باتیں میں کیا۔ یہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز اور ان کی طرف سے ایک گراں قدر ہدیہ خلوص تھا۔

بچوں کے ادب کے حوالے سے مرحوم کی خدمات بے مثال ہیں۔ ہمارے بچپن میں بہت سے نامور ادیب بچوں کے لیے شاندار کتابیں لکھ رہے تھے لیکن جب اشتیاق احمد مرحوم اس میدان میں اترے تو پھر کسی اور کا چراغ نہ جل سکا، وہ آیا، اس نے دیکھا اور فتح کر لیا، یہ محاورہ ان پر صدفی صد صادق آتا ہے۔

میں نے ایک بار مرحوم سے کہا تھا کہ اللہ کا شکر ہے بچوں میں اس قدر مقبولیت آپ کے حصے میں آئی، کیوں کہ آپ نے ان میں دین سے محبت، حب الوطنی اور دیانت داری کے جذبات کو فروغ دیا۔ خدانخواستہ یہ ہر دل عزیزی کسی ایسے مصنف کو نصیب ہوجاتی جو دین سے بے زار اور اخلاقیات سے عاری ہوتا تو بہت نقصان ہوتا۔

وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں نے ساری زندگی بچوں کے لیے لکھا ہے اور اب بڑی عمر کو پہنچ کر بھی میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو بچہ ہی سمجھتا ہوں۔ ان کی بے ساختہ ہنسی، پر مزاح اندازِ گفتگو اور معصومانہ باتیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ ان کے اندر کا بچہ زندہ اور زندگی سے بھرپور ہے۔

ڈی آئی جی غلام رسول زاہد۔ راولپنڈی

وہ ایک درد مند دل اور حساس طبیعت رکھتے تھے، کئی دفعہ انہوں نے مجھے بہت سے خواتین و حضرات کے ایسے مسائل ارسال کیے جن کا حل پولیس کی مدد سے ممکن تھا، مجھ سے جو ہو سکتا تھا میں کرتا رہا۔ مجھے ڈاکٹر افتخار کھوکھر صاحب کی زبانی علم ہوا کہ مسجد سے ملحق ایک خوب صورت جگہ انہوں نے اپنے تخلیقی کاموں اور خاندان کی آسانی کے لیے تعمیر کی تھی۔ یہ جائیداد انہوں نے مسجد کے لیے وقف کر دی اور اپنی اس نیکی کو ممکنہ حد تک خفیہ رکھا۔

میری ان سے آخری ملاقات پروفیسر اسلم بیگ صاحب کے ہاں اسلام آباد میں ہوئی۔ ہم نے مسجد میں اکٹھے نماز ادا کی اور شادی کی تقریب میں شرکت بھی کی۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوش و خرم تھے اور خوش مزاجی کی پھلجھڑیاں چھوڑ رہے تھے۔ میں نے ان سے فرمائش کی کہ وہ سعودی عرب کے شہید فرماں رواشاہ فیصل پر ناول تحریر کریں۔ وہ کہنے لگے کہ میرے ذہن میں بھی یہ خیال کئی بار آیا ہے۔

اللہ نے مسلمانوں کے لیے ان کے دل میں بے پناہ خلوص اور درد عطا کیا تھا۔ اسلام دشمن طاقتوں کے ہتھکنڈوں اور سازشوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کے بہت سے ناول اور خاص طور پر خاص نمبر ایسی کئی ریشہ دوانیوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ان کا تخیل اتنا بلند تھا کہ آنے والے وقت کی بہت سی باتیں ان کے ناولوں میں موجود ہیں۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے مجھے بتا رہے تھے کہ ان کے ایک ناول میں ایک ایسی ایجاد کا ذکر ہے جس میں انسان لہروں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے۔ حال ہی میں ایک سائنسی میگزین میں اس نظریے پر ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔ یہ معرفانہ فراست کی ایک واضح مثال ہے۔

ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ اپنی جگہ، ٹیلی فون پر بھی میں ان سے مسلسل رابطے میں رہتا تھا، لیکن بعض اوقات ایسے وقفے آجاتے کہ کئی ہفتے بات نہ ہو پاتی۔ ان کے انتقال کے دن دوپہر کے وقت میرے دل میں شدت سے آرزو پیدا ہوئی کہ ان سے بات کروں، رابطہ فوراً ہوگیا۔ وہ کراچی ائیر پورٹ کے لاؤنج میں بیٹھے تھے، بورڈنگ کارڈ حاصل کر چکے تھے اور جہاز میں سوار ہونے کے لیے اعلان کے منتظر تھے۔ حسب معمول شگفتہ مزاجی ان کے لہجے کا حصہ تھی۔ کراچی میں فاروق احمد صاحب کے ساتھ کتابوں کی نمائش میں انہیں بھرپور پذیرائی ملی تھی۔ میں نے پوچھا کہ آپ انتظار کی ان گھڑیوں میں بور تو ہو رہے ہوں گے۔ بے ساختہ ہنس کر بولے:

"میں ہمیشہ مصروف رہتا ہوں۔ ایسے مواقع پر کوئی نہ کوئی کتاب زیر مطالعہ رہتی ہے، البتہ آج میرے پاس صرف اپنی ہی کتابیں ہیں، جنھیں دیکھ رہا ہوں۔"

انہیں لاہور ائیر پورٹ پر اترنا تھا، میں نے کہا کہ آج شام میرا پروگرام بھی لاہور پہنچنے کا ہے۔ کہنے لگے: میں تو سیدھا جھنگ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا، ہمارے پروگراموں میں تھوڑا سا فرق آجاتا ہے۔

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ میں نے دفتر میں موجود ٹیلی ویژن پر بریکنگ نیوز دیکھی کہ اشتیاق احمد انتقال کر گئے ہیں۔ میں کچھ دیر کے لیے سکتے میں آگیا۔ صدمے اور غیر یقینی سے میری حالت غیر ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ایک ذاتی صدمہ بھی ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر یہ ایک قومی محرومی ہے۔ بچوں کے ادب کا ایک درخشندہ ستارہ بجھ گیا۔ تین دہائیوں سے زیادہ عرصے تک تخلیق کے اس شعبہ میں ریکارڈ قائم کرنے والا رخصت ہوگیا۔ ان کے پبلشر فاروق احمد نے بجا طور پر کہا کہ مرحوم اشتیاق احمد سے پہلے جاسوسی ادب کا ہیرو ایک آوارہ گرد، کھلنڈرا اور اخلاقیات سے عاری شخص ہوتا تھا، انہوں نے اس میدان کو

دوستی کا بچپن

پروفیسر محمد اسلم بیگ۔ اسلام آباد

''آپ کو 'بچوں کا اسلام' کا بچہ بننے کا خیال کیسے آیا؟''

یہ تھا وہ سوال جو مجھ سے گزشتہ سال (2014ء میں) 'بچوں کا اسلام' کے لیے میرے انٹرویو میں ایک بچی نے پوچھا تھا۔ سوال جتنا دلچسپ اور منفرد تھا، اتنا ہی اِس کا جواب دینا مشکل تھا۔ میں کافی دیر سوچتا رہا کہ اس کا کیا جواب لکھوں؟ لیکن جونہی میرے ذہن میں اشتیاق صاحب کا تصور آیا میری مشکل آسان ہوگئی۔ میں نے جواب لکھا:

''اپنی ہی عمر کے ایک بچے کو ایڈیٹر کی کرسی پر بیٹھے دیکھ کر!''

اور واقعی جب اِشتیاق صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ کر 'بچوں کا اسلام' کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہوتے تھے تو وہ اپنے آپ کو ایک بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ورنہ 'بچوں کا اسلام' چھوٹی عمر کے بچوں میں اتنی زبردست مقبولیت حاصل نہ کرتا اور 'دادا جان' سے محبت کرنے والے پوتوں اور پوتیوں کی اتنی کثیر تعداد ہمیں نظر نہ آتی۔

اِشتیاق صاحب جب میرے انٹرویو کا ادارتی جائزہ لے رہے تھے تو وہ اس سوال پر رک گئے اور فوراً مجھے فون کر کے یہ سوال پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ سوال دلچسپ ہی نہیں چکرا دینے والا بھی ہے، لیکن جتنا دلچسپ سوال تھا، اتنا ہی دلچسپ آپ نے جواب لکھا ہے۔

پھر انہوں نے میرا جواب بھی مجھے پڑھ کر سنایا اور خوب ہنسے۔ ان کی اس وقت کی خوشی ان کے قہقہوں کی روشنی میں مَیں اپنے شہر میں بیٹھا دیکھ رہا تھا اور پھر انہوں نے بڑی معصومیت سے کہا:

''آخر میں بھی تو بچہ ہوں!''

کہتے ہیں زندگی میں دو بار دوستی کرنے کا لطف آتا ہے۔ ایک بار جب آپ بچے ہوتے ہیں اور دوسری بار جب آپ بوڑھے ہوتے ہیں۔

لیکن اشتیاق صاحب کی اور میری دوستی بڑھاپے کی دوستی بھی تھی اور بچپن کی دوستی بھی۔ ہم نے نہ بچپن میں ایک دوسرے کو دیکھا، نہ لڑکپن میں لڑے کھیلے، اور نہ ہی جوانی میں ایک دوسرے سے آشنا ہوئے۔ ہماری دوستی آخری عمروں کی دوستی تھی۔ اس دوستی کی طبعی عمر بھی صرف ساڑھے تین سال تھی۔ 20 جون 2012ء کو ان کے پہلے فون سے شروع ہونے والی دوستی تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ میں ان کی بے پناہ مصروفیت اور ان کے بلند مقام کی وجہ سے انہیں فون کرنے سے جھجکتا تھا، لیکن انہوں نے میرے ایک کے مقابلے میں چار چار پانچ پانچ بار فون کر کے میری جھجک دور کر دی۔ دوسرے نہیں تو تیسرے دن ہماری بات ضرور ہوتی تھی اور بعض مرتبہ ایک دن میں بھی دو تین بار۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ انہوں نے کہا:

''اب فون مَیں آپ کو کیا کروں گا اور جب آپ بات کرنا چاہیں تو مجھے صرف 'مس کال' کر دیا کریں۔''

اور پھر ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ میری مس کال کے جواب میں ان کا فون نہ آتا ہو۔ اگر مصروف بھی ہوتے تھے تو بڑی اپنائیت اور خوشی سے کہتے کہ میں بس ابھی تھوڑی دیر میں آپ کو فون کرتا ہوں۔ ان کے لہجے میں بیزاری کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے مجھے یہ تک کہہ رکھا تھا کہ آپ کے لیے وقت کی کوئی قید یا پابندی نہیں۔ آپ جب چاہیں مجھے فون یا مس کال کر سکتے ہیں۔ گویا ان سے میرا رابطہ 'ہاٹ لائن' پر قائم ہو چکا تھا۔

ہمارے تعلق کو 'دوستی' کا نام پہلے انہی نے دیا۔ دوستی کے ابتدائی سفر میں میری رفتار بہت سست تھی لیکن ان کی طرف سے اس قدر تیز رفتاری کا مظاہرہ ہوا کہ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی اور اپنی خوش قسمتی پر رشک بھی آتا تھا۔ ان کی گرم جوشی، ان کی اپنائیت اور ان کے خلوص نے میرے قدموں کی رفتار بھی تیز تر کر دی۔

دراصل وہ ہر کام جلد سے جلد اور مختصر سے مختصر وقت میں انجام دینے کے عادی تھے۔ ایک پورا ناول صرف چار دن میں مکمل کرنا، رف اور اصل کے تکلف میں پڑے بغیر براہِ راست اشاعت کے لیے تحریر ایک ہی بار لکھنا، ایک ہی دن میں اتنے سارے کام بطریقِ احسن نمٹا لینا، گویا ان کی زندگی ان کے پسندیدہ عنوان 'مختصر پُراثر' کی عمدہ تشریح تھی یعنی مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ پُراثر کام کرنا۔

ہماری دوستی بھی مختصر لیکن پُراثر تھی...... ساڑھے تین سالہ دوستی!

ساڑھے تین سالہ دوستی کی عمر ہی کیا ہوتی ہے! اس مختصر دوستی کا تو ابھی بچپن ہی تھا۔ اکثر ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے بچہ بن جاتے تھے۔ انہیں بچہ بننے کا مجھ سے زیادہ شوق تھا۔ قدرت نے بھی ان کے اس شوق کی لاج رکھ لی۔ زندگی میں بھی اور وفات کے وقت بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی پیاری اور پسندیدہ معصوم ہستیوں کی پسند کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ اس خالقِ کائنات نے انہیں جیتے جی بھی ایک قد آور شخصیت بنانے کے ساتھ ساتھ ان کے قد کو بچوں کے قد سے مماثلت دی اور وفات کے بعد بھی ان کی آخری آرام گاہ معصوم بچوں کے بیچوں بیچ مقدر کی۔

ایک دن جب سب اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اشتیاق صاحب کے دائیں بائیں مدفون بچے بھی ان کے ساتھ ہی اٹھیں گے اور انہیں حیرت، مسرت اور تعجب سے دیکھیں گے تو وہ بڑی معصومیت سے مسکرا کر انہیں کہیں گے:

''آخر میں بھی تو بچہ ہوں۔''

شائستہ اور مہذب خاندانوں کی رزم گاہ بنا دیا۔ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ ساتھ پروفیسر داؤد اور خان رحمان اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ بدترین دشمنوں کا مقابلہ کرتے نظر آتے ہیں۔

میرے کانوں میں ان کی زندگی اور جوش سے بھرپور ہنسی گونجتی ہے، خلوص سے بھرے الفاظ گنگناتے ہیں اور پھر یادوں کے اس منظر پر ایک نورانی چہرہ ابھرتا ہے، جو روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے، آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات ہے۔ ہونٹوں پر درود کی دھیمی صدائیں اور سینہ جوشِ محبت سے ابلتا ہوا!

اللہ تعالیٰ مرحوم اشتیاق احمد کے دینی خلوص اور اسلامی حمیت کو قبولیت عطا فرمائے اور ان کی تحریریں ہمیشہ اس طرح بچوں کے دلوں میں گھر کرتی رہیں، آمین۔

اِک ستارہ تھا وہ کہکشاں ہوگیا

دروازہ کھلتے ہی جو شخصیت پہلی نظر میں سامنے آئی، تو میں دیکھ کر دھک سے رہ گیا اور تصور میں بنی ان کی بلند وبالا، لحیم شحیم قد والی صورت کی عمارت دھڑام سے جا گری اور میں حیرت کا بت بنا کھڑا رہ گیا......!

☆

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ غالباً وہ میرا درجہ ثالثہ کا سال تھا۔ تیسرے گھنٹے کے بعد جب میں کلاس سے باہر آیا تو ایک ساتھی کے ہاتھ میں ایک رنگ برنگا اخبار دیکھا تو اس کے قریب جا کر اس اخبار کو دیکھنے لگا۔ وہ ساتھی بھی چوں کہ میرے ذوق مطالعہ سے واقف تھا، لہٰذا اس نے وہ اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''روزنامہ اسلام' والوں نے ہفت روزہ بچوں کا ایک صفحہ نکالا ہے۔ جس کا نام انہوں نے ''بچوں کا اسلام'' رکھا ہے۔ تم یہ رکھ لو! اس کو پڑھ کر مجھے دے دینا۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے وہ صفحہ میری طرف بڑھا دیا۔ اتفاق سے میرا اگلا گھنٹہ خالی تھا۔ میں نے اسی ایک گھنٹے میں وہ پورا صفحہ ختم کر کے ساتھی کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد تو پھر 'بچوں کا اسلام' پڑھنے کی مستقل عادت سی بن گئی جو اب تک برقرار ہے اور الحمدللہ 'بچوں کا اسلام' کے تمام شماروں کی میں نے پندرہ پندرہ شماروں کے حساب سے جلد بندی کی ہوئی ہے۔ اس نیت سے کہ بعد والے بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ اس میگزین میں جو میرے لیے نئی چیز تھی وہ تھی 'دو باتیں' اور دوسری چیز تھی، اس کا انوکھا اسلوب!

رسالہ ترتیب دینے والے کے اخلاص کی برکت تھی یا بڑوں کی دعاؤں کا اثر تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میگزین اور مدیر کی محبت دل میں جمتی اور بڑھتی گئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس صفحے نے میگزین کی شکل اختیار کر لی جس کی وجہ سے اس کو محفوظ رکھنا مزید آسان ہو گیا۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ کچھ لکھا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی کاغذ قلم سنبھالا اور 'بچوں کا اسلام' میں زندگی کا پہلا خط تحریر کیا، جو کچھ عرصے بعد ہی شائع ہو گیا، جس سے حوصلہ افزائی ہوئی تو میں نے دوسرا خط بھی لکھ دیا۔ ساتھ میں 'مدیر محترم' کے آٹوگراف کے لیے ایک جوابی لفافہ بھی ڈال دیا۔ وہ خط بھی شائع ہو گیا اور ساتھ میں مدیر محترم کا آٹوگراف بھی مل گیا، جو کہ اب تک میرے پاس فائل میں محفوظ ہے۔

ہمت کچھ اور بڑھی تو ایک تحریر ارسال کی، جو مناسب اصلاح کے ساتھ شائع ہوگئی۔ ایک دن دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مدیر محترم کا نمبر لے کر ان کو فون کروں۔ زیارت نہ سہی، ان کی آواز ہی سن لوں گا۔ چھوٹے بھائی کے پاس نمبر تھا۔ نمبر موبائل میں محفوظ کر کے ڈائل کیا مگر پھر مدیر محترم کی مصروفیت کے پیش نظر ہمت نہ ہوئی اور بیل جانے سے قبل ہی کال کاٹ دی۔

مفتی محمد معاویہ اسماعیل۔ مخدوم پور

ایک دن میں مغرب کے بعد مطالعے میں مصروف تھا کہ موبائل کی بیل بجی۔ میں نے موبائل نکالا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موبائل پر 'اشتیاق احمد' لکھا جگمگا رہا تھا۔ یقین ہی نہ آیا۔ ایک بار تو آنکھوں پر ہاتھ ملا کہ کہیں میری نظروں کا دھوکا تو نہیں مگر وہ تو حقیقت تھی۔ جلدی سے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا۔ فوراً ہی دوسری طرف سے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کی مدھر آواز سنائی دی۔ میں نے ایک دم موبائل کان سے الگ کیا اور اس کو اچنبھے سے دیکھا کہ نمبر تو ''اشتیاق احمد'' کے نام سے محفوظ ہے، مگر آواز بالکل کسی خاتون کی لگ رہی تھی۔ پھر کان سے لگایا تو آواز آئی:

''جناب مفتی صاحب! میں اشتیاق احمد جھنگ سے بات کر رہا ہوں۔''

بس پھر نہ پوچھیے کہ کیا ہوا! وہ کچھ دیر تک بات کرتے رہے اور میں جی جی کر کے جواب دیتا رہا۔ خوشی تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، جس کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ آیا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دوبارہ پھر خود فون کر کے پوچھا:

''حضرت آپ کا فون آیا تھا آپ نے کیا کہا؟ خوشی کی وجہ سے میں آپ کی بات ہی نہ سمجھ پایا؟''

ایک لمحے کو وہ حیرت سے خاموش ہوئے، پھر انہوں نے اپنا مدعا دوبارہ بیان کیا۔ بس اس کے بعد اکثر فون اور میسج پر ان سے رابطہ رہنے لگا۔

فون پر جب کافی عرصہ تک گفتگو ہوتی رہی تو ہمت بڑھی کہ کیوں نہ اب ان کی زیارت کی جائے۔ ایک دو بار میں نے اس بات کا ذکر بھی کیا، فرمانے لگے:

''آپ اسپیشل مجھے ملنے کے لیے نہ آئیں۔ آپ کا وقت بھی قیمتی ہے اور میرا بھی! ہاں جب بھی آپ کو جھنگ کسی کام سے آنا ہو تو ملاقات کی کوئی صورت بنائی جا سکتی ہے۔''

وہ کہتے ہیں نا کہ جب بندہ کسی چیز کی سچے دل سے طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ بنا دیتے ہیں، بس اچانک جھنگ ایک کام پڑ گیا اور اس کام کے سلسلے میں کچھ ہی دن بعد جھنگ پہنچ گیا۔ جھنگ میں قاضیاں والی مسجد کے امام قاری خلیل احمد سالک صاحب کے پاس ٹھہرنا ہوا، دیگر امور نمٹا کر ظہر کے بعد میں نے قاری صاحب کو کہا:

''قاری صاحب! اشتیاق احمد صاحب سے ملاقات کرنی ہے، کوئی صورت بن سکتی ہے؟''

''آپ حاجی اشتیاق احمد صاحب کی بات کر رہے ہیں؟'' قاری صاحب نے سوال کیا؟

''جی! وہ میں بچوں کا اسلام کے ایڈیٹر اشتیاق احمد صاحب کی بات کر رہا ہوں۔''

میں نے کہا ''جی جی! میں سمجھ گیا ہوں۔ وہ یہاں پر حاجی اشتیاق احمد صاحب کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا گھر بھی ادھر ساتھ ہی ہے۔ کھانا کھا کر چلتے ہیں۔''

جب میں نے یہ سنا کہ ان کا گھر قریب ہے، تو میری خوشی دیدنی ہوگئی۔ میں تو اسی وقت جانے کے لیے تیار ہو گیا کہ کھانا بعد میں کھائیں گے۔

بہر حال قاری صاحب کے اصرار پر ان کے ساتھ کھانا کھایا پھر قاری صاحب کو کہا کہ فون کر کے ان سے وقت لے لیتے ہیں، کہیں وہ مصروف نہ ہوں۔

قاری صاحب نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے ان کو فون کیا۔ سلسلہ ملنے پر کہا:

''ہمارے ایک مہمان ہیں۔ مخدوم پور سے آئے ہیں، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، کچھ وقت

چاہیے تھا۔"

اس وقت میری مسرت کی انتہا نہ رہی، جب قاری صاحب کی بات سن کر انہوں نے خود ہی فوراً کہا: "مفتی معاویہ اسماعیل صاحب ہیں کیا؟"

قاری صاحب نے حیرت سے میری طرف دیکھا پھر 'جی' کہا۔

مدیر محترم نے فرمایا: "آپ ابھی آجائیں، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

قاری صاحب فون بند کر کے مجھے کہنے لگے کہ حاجی صاحب تو آپ کو پہلے سے جانتے ہیں، کمال ہے فوراً پہچان گئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ میرا فون پر اکثر ان سے رابطہ رہتا ہے۔

ملاقات کے لیے ہم اسی وقت تیار ہو گئے۔ میں حاجی صاحب کے لیے کچھ ہدایا لایا تھا۔ وہ اٹھائے اور ہم پیدل ہی چل پڑے۔ قاری صاحب نے راستے میں مجھے وہ 'ڈاک خانہ' بھی دکھایا جس میں بچوں کا اسلام کی ساری ڈاک آتی تھی، اس کے بعد حاجی صاحب کے پاس جاتی تھی۔ اس ڈاک خانے کو دیکھ کر مجھے ایسے لگا کہ جیسے مجھے اس ڈاک خانے سے بھی محبت ہے۔ وہ ڈاک خانہ بھی اپنا اپنا لگنے لگا۔ بہرحال میں اپنے تصور میں حاجی صاحب کی ایک صورت لیے چل پڑا۔ چند موڑ مڑ کر تھوڑی دیر کے بعد ہم نسبتاً مختصر سے گھر کے سامنے جا کر رک گئے۔

قاری صاحب نے دروازہ بجایا تو چند ہی لمحوں بعد دروازے کے ساتھ موجود بیٹھک کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک کافی چھوٹے قد کی مالک، پرنور چہرے والی شخصیت برآمد ہوئی۔ ان کو دیکھ کر ان کی کہانی میں تخیل شدہ قد و قامت والی شخصیت کا تصور دھڑام سے ٹوٹ گیا۔ میں نے اس سے قبل ان کی کہانی 'چھوٹا قد' بھی نہ پڑھی تھی جو ان کو پہچان سکتا۔ وہ بھی میری حیرت کو بھانپ گئے اور مسکرا کر کہنے لگے:

"السلام علیکم مفتی صاحب! کیا آپ نے میری کہانی چھوٹا قد نہیں پڑھی ہے؟"

یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ میں یہ سوچ کر مسکرا کر رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین کا کام لینے کے لیے قد و قامت اور رنگ و نسل کا کوئی اعتبار نہیں۔

ہم بیٹھک میں داخل ہو گئے۔ وہ بیٹھک کیا تھی، ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو کہ بیک وقت دو کاموں کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ بیٹھک کی بیٹھک تھی اور دفتر کا دفتر۔ جی ہاں! وہی بیٹھک ہی حقیقت میں بچوں کا اسلام کا دفتر تھا۔ اس کی چاروں دیواروں پر گھڑیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔ بیٹھک کا بنظر غائر جائزہ لیتا دیکھ کر مدیر صاحب مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: "جو بھی آتا ہے وہ اس دفتر میں داخل ہوتے ہی پہلے ان گھڑیوں کا جائزہ لیتا ہے۔"

پھر ہمیں بٹھا کر اندر تشریف لے گئے۔ جلد ہی ٹھنڈے ٹھار شربت کے ایک جگ اور گلاس کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ہم شربت بھی پیتے رہے اور ساتھ میں گپ شپ بھی کرتے رہے۔ بلاشبہ اشتیاق احمد صاحب ایک بہترین لکھاری کے ساتھ ساتھ ایک بہترین سامع بھی تھے۔ مجھے اپنی ایک ڈائری دکھا کر فرمانے لگے کہ 'بچوں کا اسلام' کا جو شمارہ میں مکمل کر کے کراچی میل کر دیتا ہوں اس کے اہم اہم مضامین کے نام میں اپنے پاس اس ڈائری پر لکھ لیتا ہوں، تا کہ سند رہے۔ پھر اس ڈائری میں انہوں نے مجھے میرے ایک مضمون کا نام بھی دکھایا۔ بڑی خوشی ہوئی، پھر فرمانے لگے کہ آپ سے ایک بات کرنی ہے؟ اگر اجازت ہو تو؟ میں نے عرض کیا:

"ضرور! بڑی خوشی سے......"

فرمانے لگے کہ ہمارے رسالے میں حصہ 'مسائل شرعیہ فقہیہ' کی کمی ہے۔ اگر آپ ہمیں مسائل فقہیہ لکھ کر بھیجیں تو میرے خیال میں اس کا فائدہ زیادہ ہوگا۔"

میں نے کہا:

"جیسے آپ کا حکم! میں ان شاء اللہ ضرور کوشش کروں گا" اس کے بعد الحمدللہ میں نے مسائل فقہیہ ارسال کرنے شروع کر دیے، جو چھپتے بھی رہے۔

لکھنے کا طریقہ اور اس میں مزید بہتری کے متعلق میں نے سوال کیا تو دو باتیں بیان فرمائیں۔ فرمانے لگے:

"مفتی صاحب! لکھنے کے لیے سب سے اہم چیز 'مطالعہ' اور دوسری اہم ترین چیز 'تنہائی' ہے۔ جب تک تنہائی میسر نہ ہوگی، اس وقت تک نہ تو صحیح مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی لکھا جا سکتا ہے۔"

مزید تھوڑی سی دیر رکنے کے بعد ان کی مصروفیت کا اندازہ کرتے ہوئے اجازت چاہی تو انہوں نے کھانے پر اصرار کیا۔ ہم نے ان کی سہولت کے پیش نظر اجازت چاہی تو انہوں نے بھی زیادہ مجبور نہ کیا۔ میں نے وہ ہدایا پیش کیے، بڑی خوشی اور محبت سے ان کو قبول فرمایا اور ہم اجازت لے کر واپس آ گئے۔

ایک دن پھر خیال آیا کہ ایک مرتبہ پھر ملاقات کے لیے جانا چاہیے۔ ان کو کہوں گا کہ آپ اپنا کام کریں! میں بس آپ کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہوں گا مگر اے بسا آرزو خاک شدہ۔

اشتیاق احمد صاحب ایک بہترین راہنما بھی تھے۔ ہمارے ادارہ 'مرکز علم و عمل جامعہ اشرافیہ مانکوٹ' کا ایک ترجمان ماہنامہ چھپتا ہے۔ اس کے بارے میں انہوں نے کافی راہنمائی کی، جس کی وجہ سے الحمدللہ اس رسالے کا معیار کافی بلند ہوا۔

وقت گزرتا رہا۔ ہمارے سہ ماہی امتحان شروع تھے۔ اگلے دن آخری پیپر تھا۔ بدھ والے دن عصر کے قریب لاہور سے ایک دوست نے میسج کیا کہ اشتیاق احمد صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ یقین کریں میرے تو پیروں سے زمین ہی نکل گئی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ کئی لمحات تک تو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا کروں؟ جب کچھ حواس بحال ہوئے تو میں نے فوراً قاری خلیل احمد صاحب کو فون کیا کہ اس وقت وہ ہی مجھے صحیح بات بتا سکتے ہیں۔

ان سے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو ان کی آواز کہیں کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی، وہ کہہ رہے تھے: "مفتی صاحب! انا للہ، واقعتاً خبر سچی ہے۔ اشتیاق صاحب کا انتقال کراچی ایئر پورٹ پر اچانک ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوا ہے۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہتے رہے مگر اس سے آگے مجھے کچھ نہ سنائی دیا۔ چند دن تک دل کسی کام میں بھی نہ لگا۔ میرے دوست حتیٰ کہ میرے گھر کے سب افراد نے مجھ سے تعزیت کی، کیونکہ وہ میری اور اشتیاق صاحب کی محبت کو جانتے تھے۔ بلاشبہ مدیر محترم میرے ادب کے استاذ بھی تھے۔ ہر ایک تعزیت بھی کرتا تھا اور ساتھ تسلی بھی دیتا تھا۔ عجب سماں تھا۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ جس طرح بھیڑ سے بھاگتے تھے اور تنہائی کو پسند کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کا ایسا پاس فرمایا کہ وفات کے وقت اپنا کوئی قریبی عزیز ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرما کر ان کے پسماندگان اور سارے محبین کو صبر جمیل نصیب فرمائیں آمین۔

☆☆☆

		فجر			ظہر			عصر			مغرب			عشاء					
	تہجد	تلاوت	تکبیر اولیٰ	جماعت	بلا جماعت	تکبیر اولیٰ	جماعت	بلا جماعت	تکبیر اولیٰ	جماعت	بلا جماعت	تکبیر اولیٰ	جماعت	بلا جماعت	تکبیر اولیٰ	جماعت	بلا جماعت	ٹوٹل نمبر	
اشتیاق احمد																			
نوید احمد																			
توحید احمد																			
آصف محمود																			
فاروق احمد																			
عثمان احمد																			

نماز کا نقشہ

محمد فیصل شہزاد

شمارہ نمبر 699 کی "دو باتیں" نہایت پراثر تھیں...... اگرچہ چچا جان مرحوم کی ہر 'دو باتیں' اہم ہوتی تھیں، اور ان میں کوئی نہ کوئی بہترین سبق موجود ہوتا تھا، مگر 699 میں انہوں نے دین کے سب سے اہم ستون نماز کا ذوق وشوق اور ولولہ پیدا کرنے اور پورے اہتمام سے ادا کرنے کے لیے ایک نہایت ترغیبی اور آسان طریقہ پیش کیا۔ اس کے بارے میں ہمیں خطوط اور فون کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان دو باتوں پر بے شمار لوگوں نے اس پر عمل کرنے کا عزم کیا ہے۔

اشتیاق احمد صاحب ان دو باتوں میں لکھتے ہیں کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ کیوں نہ میں اپنے گھر کے افراد کے لیے ایک نقشہ بناؤں...... اس میں ہر فرد کی ہر روز کی نمازیں لکھوں کہ کس نے تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ پڑھی ہے اور کس نے تکبیرِ اولیٰ کے بغیر پڑھی اور کس نے جماعت کے بغیر پڑھی ہے وغیرہ...... اس طرح میرے اپنے گھر کے افراد کا سارا حساب کتاب سامنے آجایا کرے گا...... میں نے گھر کے افراد کے ناموں کے حساب سے خانے بنائے اور پانچوں نمازوں کے تین تین خانے بنائے...... نقشے کے دائیں طرف تاریخ کی جگہ رکھی اور پھر اعلان کر دیا کہ میں نے ایک نقشہ بنایا ہے...... اب ہر روز ہر ایک کی نماز کا حساب کتاب لکھا جایا کرے گا...... اور مہینے کے آخر میں جس کے نمبر سب سے زیادہ ہوں گے...... اسے نقد انعام دیا جایا کرے گا...... اس اعلان کو سب نے حیران ہو کر سنا۔

دوسرے دن صبح سے میں نے نمازوں کا اندراج شروع کر دیا...... شروع کے دو خانے تہجد اور تلاوت کے بھی رکھے تھے، لیکن یہ اعزازی نمبر تھے...... یعنی پانچوں فرض نمازوں کے علاوہ جو نمبر تہجد اور تلاوت کر کے حاصل کیے جائیں...... ان کا اعلان تو کیا جائے گا...... لیکن پانچوں نمازوں کے حساب کتاب سے ان نمبروں کو الگ رکھا جائے گا......

اشتیاق صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ارادہ یہ تھا کہ مہینے کی آخری تاریخ کو ہم گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب کریں گے...... اس میں پہلے نماز کے فضائل بیان کیے جائیں گے...... پھر یہ بتایا جائے گا کہ کس نے کتنے نمبر حاصل کیے ہیں...... اور اس کے بعد سب کو مٹھائی بھی کھلائی جائے گی...... پھر انعام پانے والے کو انعام دیا جائے گا۔

یہ نقشہ کیسا رہا...... اس کے متعلق حضرت لکھتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا...... گھر کے ہر فرد میں نماز کا ذوق وشوق اور ولولہ پیدا ہوا ہے...... خود میں بھی کئی بار تکبیرِ اولیٰ سے رہ جاتا تھا...... اب میں بھی دھیان رکھتا ہوں...... آپ بھی اپنے گھروں میں یہ تجربہ کر سکتے ہیں...... کسی کو نقشہ بنانا نہ آئے تو ایک خط لکھ کر نقشہ منگوا سکتے ہیں......!

حضرت تو رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے...... اب ہم نے سوچا کہ اس نقشے کو حضرت کے ایصالِ ثواب کے لیے اس خاص نمبر میں شائع کر دیا جائے تاکہ بے شمار لوگ جو اس نقشے کو منگوانا چاہتے ہیں تو وہ زحمت سے بچ جائیں...... اور حضرت اشتیاق صاحب کے لیے بھی اجر کا ایک مستقل باب کھل جائے۔

قارئین اسی صفحے میں مضمون کے ساتھ ہی اس نقشے کا پرنٹ ملاحظہ کر سکتے ہیں!

رحم کر ان پر الٰہی

دل کی رونق پر عجب غمگین چھائی شام ہے
جب سے قاصد نے جدائی کا دیا پیغام ہے

عکس ہی تیرا سجالوں قلب و جاں میں اشتیاقؔ
اشتیاقِ وصل تو اب حسرتِ ناکام ہے

خاکساری پر تری صد آفریں صد آفریں!
تیری درویشی کا بھی اس عہد میں اِک نام ہے

اے قضا! کس گوہرِ نایاب کو لے کر چلی
جس کا کوئی مول ہے، جس کا نہ کوئی دام ہے

اے محمد ﷺ کے غلام ان ﷺ کے غلاموںؓ کے غلام
تیری عشاقی میں کوئی شک نہ ہی ابہام ہے

بارگاہِ سیدِ کونین ﷺ میں حاضر ہو جب
ساقیِ کوثر کے ہاتھوں سے ہی پینا جام ہے

بارگاہِ ایزدی میں التجا توصیفؔ کی
رحم کر ان پر الٰہی رحم تیرا عام ہے

توصیفؔ حجازی

میرے اُستاد جی

سید بلال پاشا۔ واہ کینٹ

استاد تو میرے شاید وہ اسی دن سے بن گئے تھے جب میں نے ان کا پہلا ناول پڑھا تھا، لیکن مجھے اس کا احساس نہیں ہوا... پھر جب میں نے اپنی زندگی کی پہلی کہانی لکھی تو مجھے لگا یہ ان کے طفیل ہی ہوا، اور جوں جوں میری کہانیاں شایع ہوتی رہیں، میرا یقین پختہ ہوتا چلا گیا کہ دراصل وہی میرے استاد ہیں، لیکن میں کبھی ان سے اظہار نہیں کر سکا، نہ ہی کبھی ''استاد جی'' کہہ کر پکارا، پھر انہوں نے شاہکار نمبر کا اعلان لگایا اور مجھے بڑے لکھاریوں میں شمار کیا۔ اس دن میں خود کو بڑا سمجھنے لگا، میرا دل بلیوں اچھلا، مجھے لگا کہ واقعی میں بڑا لکھاری بن گیا ہوں، لیکن میری ذات سے واقف لوگ جانتے تھے کہ جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کا حوصلہ بڑھانے اور اس کا دل رکھنے کے لیے کہتا ہے کہ میرا بیٹا تو بڑا ہو گیا ہے... یہی معاملہ ادھر بھی ہے، ورنہ تو کیا پدی کیا پدی کا شوربہ!

بہر حال میں تو اپنے زعم میں اس حقیقت سے بے نیاز تھا۔ پھر اس دن میں نے سوچا کہ اب انہیں ''استاد جی'' کے باعزت نام سے ہی پکارنا چاہیے... دل کی باتوں کو راز رکھنا بھلا کہاں کی عقلمندی ہے... ورنہ اکثر 'کاش' کی ایک طویل قطار زندگی میں شامل ہو جاتی ہے!

اس دن میں نے انہیں فون ملایا... موبائل پر بیسیوں مرتبہ میری ان سے بات ہو چکی تھی... لیکن اب بھی ہمیشہ گھنٹی بجتے ہوئے ایک مرتبہ دل زور سے ضرور دھڑکتا تھا... اکثر بات کرتے ہوئے پھندا بھی ضرور لگتا... سلام کے بعد بلا تمہید ہی میں نے کہا:

''آیندہ سے میں آپ کو استاد جی کہہ کر پکاروں گا۔''

وہ میری بات سے، بہت خوش ہوئے مگر انکسار کا اظہار بھی کیا... پھر اچانک بڑے شوخ لہجے میں کہنے لگے:

''دیکھ لو! استاد بنا رہے ہو... پھر اگر میں کوئی استادی دکھا گیا تو گلہ مت کرنا... میں بھی بڑا استاد ہوں...''

ان کی بات سن کر میں کھلکھلا کر ہنس پڑا... ان کی اس بے تکلفی نے مجھے خوشی سے نہال کر دیا اور میں نے ان کی بات خوشی خوشی منظور کر لی... لیکن اس وقت مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ وہ بہت جلد مجھے ایسی استادی دکھا جائیں گے!

زندگی میں، ان کے ساتھ میری پہلی اور آخری ملاقات بچوں کا اسلام کے دفتر میں ہوئی تھی... میں ان سے اجازت لے کر حاضر ہوا تھا... اور ارادہ تھا کہ پندرہ منٹ سے زیادہ ایک منٹ ان کے پاس نہیں بیٹھوں گا تاکہ ان کے کام کا حرج نہ ہو... پھر بھلا میں ان سے باتیں ہی کیا کروں گا... پندرہ منٹ گزرتے ہی میں نے اجازت چاہی تو ہاتھ پکڑ کے بٹھالیا اور کہنے لگے:

'بیٹھو یار! اب ایسی بھی کیا جلدی...''

اور ان کے اس بے تکلفانہ انداز سے یار کہنے نے مزید ایک گھنٹہ مجھے وہاں بٹھائے رکھا... یہ ایک گھنٹہ باتوں میں ایسا گزرا گویا واقعی پرانے یار ہوں... لگ نہیں رہا تھا کہ ان کی اور میری عمر میں 50 سال کا فرق ہے... اور پھر پچھلے اتوار کو میرے ایک محترم کا مجھے فون آیا:

''اشتیاق احمد صاحب دار العلوم کراچی آرہے ہیں... دار القرآن میں ان کی ناشتے کی دعوت ہے...''

''مجھے شدید بخار ہو رہا ہے... میں حاضر نہیں ہو سکوں گا...''

میں نے ادب سے جواب دیا... پھر میں دوا لے کر لیٹ گیا... تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک اور محترم کا فون آیا... وہ اس وقت ان کے ساتھ ناشتے میں شریک تھے...

لیکن مجھے معلوم نہیں کب فون آیا اور بند ہوا... میں بری طرح سے بخار میں پھنک رہا تھا... بعد میں جب معلوم ہوا تو افسوس بھی نہیں ہوا کہ چلو زندگی پڑی ہے، پھر کبھی سہی... لیکن منگل کے روز یہی بات میرے لیے پوری زندگی کی حسرت بن گئی۔

کل بچوں کا اسلام پڑھنے کے لیے اٹھایا، لیکن نہیں پڑھ سکا... پھر نجانے کیوں ''استاد جی'' کا نمبر ملا دیا... امید تھی کہ بند ہوگا... لیکن گھنٹی بجنے لگی... میرا دل زور سے دھڑکا، تھوک کا پھندا لگا، اگلے ہی لمحے آواز گونجی:

''آصف (ان کا بیٹا) بات کر رہا ہوں...'' اور میرا دل بیٹھتا چلا گیا... میرا نمبر محفوظ تھا، شاید اس لیے انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں بلال پاشا بات کر رہا ہوں...''

اور پھر دونوں طرف خاموشی چھا گئی... ان کی سسکیوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی... خاموشی طویل ہوتی چلی گئی... پھر میں نے بعد میں بات کرنے کا کہہ کر لائن کاٹ دی... خاموشی کی زبان میں ہم نے ایک دوجے سے جو کچھ کہہ دیا تھا... اس کے لیے الفاظ کے سہارے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

یہ صرف ایک شخصیت یا پھر بہت سے قلمی ناموں کی موت نہیں ہوئی... یہ صرف ایک کہانی نویس، ایک افسانہ نگار یا بچوں کی دنیا میں ناول نگاری کے بے تاج بادشاہ کی موت بھی نہیں تھی... بلا مبالغہ یہ ایک ولی اللہ کی وفات ہوئی ہے... بھلا کسی نے محض ناول نگار یا رسالے کے مدیر کا ایسا جنازہ دیکھا؟ گزشتہ اتوار کے روز ہی ایک بزرگ شناس کی بھی ان سے ملاقات ہوئی تھی... انہوں نے بلا جھجک کہا کہ ان کے چہرے پر شب بیداری کے آثار صاف دکھائی دیتے تھے... اور ناشتے کے دوران انہیں سنت کے خلاف کوئی کام کرتے نہیں دیکھا... بھلا اس شخص کو صرف ایک ناول نگار اور مدیر کے نام سے یاد کیا جائے گا...؟

میری کہانیوں کے ایک ایک حرف کو ٹھیک کرنے والا اب کوئی نہیں نظر آتا... اردو ادب کے میدان میں انگلی پکڑ کر چلانے والا، نہ چلنے پر زبردستی گھسیٹنے والا (فون کر کر کے)، گر جانے پر تھپکی دے کر اٹھانے والا، پہلی سیڑھی پر ہی چھوڑ کر چل دیا... اکیلا اس میدان میں کھڑا رہ گیا ہوں، نہ کوئی سہارا ہے نہ سایہ... محسوس ہوتا ہے کہ اب میری ساری پھونک نکل جائے گی... مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ میں ان سے اس قدر وابستہ ہو گیا ہوں... پرسوں سے اب تک ایک آنسو نہیں بہا میرا... آنکھیں پتھرا گئی ہیں... لیکن سینہ ہے کہ ٹیسیں برداشت کیے جا رہا ہے...

متنبی (عرب شاعر) مجھ جیسوں کی حالت بہت پہلے ہی بیان کر گیا ہے۔

فرب كئيب ليس تندى جفونه ورب ندى الجفن غير كئيب

''کتنے غم زدہ لوگ ایسے ہیں جن کی پلکیں نہیں بھیگتیں... اور کتنے ہی بھیگی پلکوں والوں کو غم چھوتا بھی نہیں...!''

☆☆☆

ایک قابلِ فخر خودغرضی

حماد احمد۔ لاہور

وہ لاہور آئے ہوئے تھے۔ میں نہ صرف ان سے ملاقات کی خواہش رکھتا تھا بلکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر ڈھیروں 'گپیں' بھی 'ہانکنا' چاہتا تھا۔ اپنی اس شدید خواہش کے حصول کے لیے میں باقاعدہ خودغرض بن چکا تھا۔ شیڈول کے مطابق صبح نو بجے انہیں لاہور کے علاقے بیگم پورہ میں واقع ایک اسکول میں پہنچنا تھا۔ یہ میری دلچسپی کی انتہا تھی کہ مطلوبہ وقت سے بھی دس منٹ قبل میں 'جائے وقوعہ' پر پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی مہمانِ خصوصی کی آمد میں تقریباً ایک گھنٹہ مزید لگے گا۔ اسکول کے باہر ہی ایک عدد جلسہ گاہ بھی سجائی گئی تھی، جہاں مہمانِ خصوصی نے خطاب کرنا تھا۔ باہر ایک بڑا سا خیر مقدمی بینر بھی لگایا گیا تھا۔

معزز مہمان کی آمد میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا اور اس ایک گھنٹے کے دوران میں مسلسل ان سے ملاقات کرنے اور گپیں ہانکنے کے پلان ترتیب دیتا رہا۔ کسی حد تک جاسوسانہ انداز اختیار کرتے ہوئے میں نے جلسہ گاہ اور اسکول کے اردگرد مٹر گشت شروع کر دیا۔ اس دوران اِدھر اُدھر منڈلاتے اسکول انتظامیہ کے ارکان کی باتوں سے یہی اندازہ ہوا کہ ان میں سے اکثر حضرات نے آنے والے معزز مہمان سے پہلی بار ہی ملاقات کرنی ہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے فوری طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معزز مہمان کے ساتھ جو دوسرے مہمان تشریف لائیں گے، انہیں بھی یہاں کی اکثریت نہیں جانتی ہوگی۔ یوں میں نے اپنے ذہن میں ایک پلان تیار کر لیا۔

خوش قسمتی سے جب معزز مہمان جلسہ گاہ کے باہر پہنچے تو ان کے ہمراہ گاڑی میں صرف ایک صاحب ہی اور تھے، جو گاڑی ڈرائیو کر کے لائے تھے۔ جیسے ہی معزز مہمان گاڑی سے اترے تو تمام منتظمین اور دیگر لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور خلوص بھرے جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ تک لے گئے۔ دوسری طرف میں جلسہ گاہ کے اندر داخل نہیں ہوا اور اپنی پلاننگ کے عین مطابق جلسہ گاہ کے باہر ہی ان صاحب کو پکڑ لیا جو معزز مہمان کے ہمراہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ گاڑی پارک کرنے میں ان کی مدد کی اور پھر مسکرا کر ان سے مصافحہ کیا اور بات چیت شروع کر دی۔

کسی بھی انسان کو مختصر ترین لمحات میں خود سے فرینک یا بے تکلف کرنا ہو تو اس کی چند ٹپس ہوتی ہیں۔ میں نے استاد بشیر سے سیکھی ہوئی وہ تمام ٹپس آزمائیں۔ یوں ان صاحب سے کافی حد تک بے تکلفی ہو گئی۔ اب ہم دونوں بے تکلفی سے باتیں اور ہنسی مزاح کرتے ہوئے سب سے آخر میں جلسہ گاہ کے اندر داخل ہوئے۔ مجھے معزز مہمان کے ڈرائیور کے ہمراہ جلسہ گاہ میں داخل ہوتے دیکھ کر انتظامیہ پر رعب پڑ گیا کہ یہ بھی معزز مہمان کے ہمراہ بہ حیثیت مہمان یہاں تشریف لایا ہے۔ کرسیوں کی پہلی قطار میں معزز مہمان کے بالکل ساتھ میرے لیے بھی نشست خالی کر دی گئی، جسے میں نے فوری طور پر اپنا حق سمجھتے ہوئے قبول کر لیا۔ کچھ دیر بعد معزز مہمان کو اسٹیج پر بلایا گیا تو میں وہاں بھی بن بلائے مہمان کی طرح جا پہنچا۔ انہوں نے جلسے سے خطاب کرنے کی بجائے محض 'دو باتیں' کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

اس کے بعد انتظامیہ انہیں کلاسوں کا دورہ کروانے اسکول کے اندر لے گئی۔ جس کلاس میں بھی وہ داخل ہوتے، وہاں موجود بچے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے معزز مہمان پر گل پاشی کرتے۔ بن بلائے مہمان کی حیثیت سے مجھ پر بھی ہر کلاس میں گل پاشی کی گئی، جواب تک مجھ پر کی گئی 'پہلی اور آخری' گل پاشی تھی!

اس کے بعد معزز مہمان پرنسپل کے آفس میں تشریف لے گئے، جہاں ان کے بالکل ساتھ بیٹھ کر چائے پینے، باتیں کرنے اور ہلکا پھلکا مزاح کرنے کا بھرپور موقع مل گیا۔ پرنسپل آفس میں تقریباً 40 سے 45 منٹ تک گپ شپ کا دور چلتا رہا۔ آخر میں مجھے آٹوگراف کا خیال آیا، جس کے لیے میں نے معزز مہمان سے درخواست کی لیکن یہاں 'خودغرض' انسان 'احمق' بھی ثابت ہو گیا کیونکہ اس وقت نہ تو میری جیب میں کوئی قلم تھا اور نہ ہی کاغذ کا کوئی ٹکڑا۔ شاید میں مایوس ہو جاتا لیکن انہوں نے مسکراتے ہوئے کاغذ اور قلم کا خود ہی بندوبست کیا اور 'زندگی بے بندگی شرمندگی' لکھ کر مجھے آٹوگراف عنایت فرمایا۔ یوں معزز مہمان کے ہمراہ گزارا گیا کم و بیش ایک گھنٹہ میرے لیے ہمیشہ کے لیے ایک یادگار بن گیا۔

اس ملاقات کے لیے میری خودغرضی کی حد آپ نے دیکھ ہی لی۔ یہ میری زندگی کی واحد خودغرضی تھی، جس پر مجھے افسوس کی بجائے ہمیشہ فخر ہوتا ہے، کیوں کہ اسی خودغرضی نے مجھے خوش قسمتی کی راہ دیکھنے کا موقع دیا تھا۔

آپ یقیناً جان ہی گئے ہوں گے کہ وہ معزز مہمان کون تھے؟ جی ہاں، وہ نامور ادیب، مشہور ناول نگار، مدیر بچوں کا اسلام اور ہر دل عزیز شخصیت محترم جناب اشتیاق احمد رحمتہ اللہ علیہ تھے، جن کے نام کے آگے آج 'تھے' اور 'رحمۃ اللہ' لکھتے ہوئے انگلیاں کانپ رہی ہیں۔

اللہ پاک ان کی تمام نیک عبادات، خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

آمین

نکھاری گر

آج ایک ایسی ہستی کے انتقال کی خبر ملی ہے جن کی تحریریں پڑھ کر میں نے لکھنا شروع کیا تھا، جنھوں نے اپنے دور کے بچوں کو خراب لٹریچر سے بچانے کے لیے زبردست کردار ادا کرتے ہوئے ایسی دل چسپ تحریریں لکھیں، جن میں نہ صرف بچوں کے لیے بلکہ بڑوں کے لیے بھی لطف کا لطف اور تربیت کی تربیت ہوتی تھی۔

خالقِ حقیقی نے آج اپنے اس بندے کو اپنے پاس بلا لیا جس نے اپنے خالق ہی کی دی ہوئی صلاحیتوں کی مدد سے انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، شوکی برادرز، پروفیسر داود، خان عبدالرحمن اور ان سب کے جملہ اہلِ خانہ جیسے

ہمارے اپنے

اہلیہ قاری عبدالرحمٰن

آج شام ہمارے گھر میں خوب رونق تھی۔ کیا بچے کیا بڑے سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے، کیوں کہ ایک بار پھر ہمیں اشتیاق صاحب کی میزبانی کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح گھر کے مہمان خانے میں چارپائی بچھا دی گئی تھی۔ ہر بچہ ایک دوسرے سے بڑھ کر خدمت کی کوشش کر رہا تھا۔ ہماری بہو نے اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل چارپائی کے سرہانے رکھ دی، امیمہ (ہماری نواسی) بھی پورا پورا ساتھ دے رہی تھی، سب سے زیادہ خوشی اسی کو تھی، کیوں کہ دو سال پہلے جب اشتیاق صاحب تشریف لائے تھے، تو وہ تین سال کی تھی۔ چار دن میں بہت مانوس ہوگئی تھی، اس کے بعد اپنی ماں اور طلحہ سے ان کے بارے میں باتیں کرتی رہتی تھی۔

☆

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!''

ٹھہرے ہوئے لہجے میں آواز آئی۔ اشتیاق صاحب داخل ہوئے تھے۔ ہمیشہ سے ان کا معمول تھا، جس دن آتے اور جس دن واپسی ہوتی، گھر میں داخل ہوتے اور جاتے وقت زور سے سلام کرتے۔ آج بھی انہوں نے حسب معمول سلام کیا اور فرشی نشست پر ہی بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر میں قہقہے گونجنے لگے۔ امیمہ تو گود میں جا بیٹھی۔ موسم چوں کہ ٹھنڈے پانی کا نہیں تھا، سادہ پانی میں شہد کا شربت پیش کیا گیا تو بہت خوشی سے پیا کہ مروجہ مشروبات سے یہ کہیں بہتر ہے، عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، کھانا کھایا، ہمیشہ کی طرح ذائقے اور لذت کی تعریف کی اور چائے پی کر سو گئے۔

☆

روزانہ یہ معمول رہا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک کپ چائے، اس کے بعد تھوڑی دیر میں جہاں جانا ہوتا، نکل جاتے۔ کتب میلے سے رات نو بجے فارغ ہوتے۔ ساڑھے نو تک گھر آجاتے۔ صبح ناشتے اور دوپہر کھانے کی دعوت کا سلسلہ رہا۔ اتوار کے دن فوزیہ خلیل صاحبہ نے اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ آنا تھا تو دوپہر کو بھی آئے۔ مختصر سا کھانا کھایا، پیر 16 نومبر رات کا کھانا ایک جگہ طے تھا، اس لیے دیر سے واپسی ہوئی۔

☆

اپنی بیٹی عائشہ کے لیے بہت فکر مند تھے۔ روزانہ صبح صبح پہلے اس سے بات کرتے۔ ہفتے کے دن اُن (قاری صاحب) سے کہا:

'' عائشہ کی فرمائش تھی، کراچی سے میرے لیے ایک اچھا سا گرم سوٹ لائیں، لاہور سے نہیں لائیے گا تو قاری صاحب آپ سوٹ بھی لائیں اور ساتھ ثبوت بھی دیں تا کہ عائشہ کو یقین ہو کہ میں نے لاہور سے نہیں لیا۔''

قاری صاحب نے کہا:

''ثبوت تو کئی مل جائیں گے، اکثر دکان دار تھیلوں اور شاپنگ بیگوں پر دکان کا نام پتا لکھواتے ہیں، دکان کا کارڈ بھی ہم ساتھ رکھ سکتے ہیں، لیکن ہم ایک کام کرتے ہیں، عائشہ کی بات میری اہلیہ سے ہو جائے، یہ ان سے پسند بھی پوچھ لیں اور جب سوٹ آجائے تو یہی عائشہ کو فون پر پوری تفصیل بتا دیں۔''

اشتیاق صاحب نے نمبر ملا کر عائشہ کو بتایا، پھر میں نے عائشہ سے بات کی۔ پیر کے دن شام کو یہ مجھے ساتھ لے گئے اور ہم نے طارق روڈ سے عائشہ کی پسند کا سوٹ خرید لیا۔ رات اشتیاق صاحب کی واپسی ہوئی، انہیں بھی سوٹ بہت پسند آیا۔ بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں، پھر عائشہ کو پہلے خود تفصیل بتائی، پھر میں نے بھی بات کی، وہ بہت خوش ہوئی...... لیکن...... افسوس...... سوٹ تو پہنچا، عائشہ کے ابو بھی پہنچے...... لیکن!

☆

منگل 17 نومبر کو ناشتے کے بعد تقریباً نو بج کر چالیس منٹ پر ہمارے گھر سے روانہ ہوئے۔ ہمیشہ میں ان (قاری صاحب) سے کہتی تھی کہ اشتیاق صاحب کو میرا سلام کہہ دیجیے، لیکن اس بار میں نے شوہر کی اجازت سے پردے کی اوٹ سے انہیں سلام کہا۔ یہ میرا براہ راست انہیں پہلا اور آخری سلام تھا۔ روانہ ہونے لگے، میری نظر چہرے پر پڑی، وہاں نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

☆

پونے دو بجے کے لگ بھگ قاری صاحب نے فون کر کے بتایا کہ اشتیاق صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں، میں ائیر پورٹ جا رہا ہوں تو دل کو اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا، وضو کر کے نفل پڑھے، روتے ہوئے دعا کی، لیکن سوا دو بجے کے لگ بھگ ان کا فون آگیا۔ بیٹی کو فون پر روتے ہوئے کہا: ''بیٹا! آج تمہارے دادا ابو کا دوبارہ انتقال ہوگیا ہے!''

ہم سب گنگ جہاں بیٹھے تھے، بیٹھے رہ گئے۔ واقعی ہمیں ایسا ہی لگ رہا تھا کہ جیسے گھر کے فرد کا انتقال ہوگیا ہے، جیسے وہ ہمارے اپنے تھے، میرے شوہر کے والد، میرے سسر، ہمارے بچوں کے دادا!

محمد اسامہ سرسری

دل کش کرداروں کو عالمِ تخیل سے لا کر دنیائے قرطاس پر جذبہ وعمل سے بھرپور زندگی عطا کر کے بے شمار ایسے فرضی ناول ہمیں، ہمارے بڑوں اور ہمارے بچوں کو پڑھنے کے لیے دیے، جنھوں نے جہاں ہمیں خراب اور شرانگیز لٹریچر پڑھنے سے محفوظ رکھا وہاں ہمارے اندر لکھنے کا جذبہ بیدار کر دیا...... چنانچہ آج بچوں کے بے شمار اصلاحی اور شرعی رسائل میں سینکڑوں لکھاری جو مختلف مضامین اور کہانیاں لکھ رہے ہیں، ان کے مطالعے کا آغاز مرحوم ہی کی ہر دل پسند تحریریں تھیں!

اللہ تعالیٰ اس محسن ومحترم ''اشتیاق احمدؒ'' کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آگے کے تمام مراحل میں ان کے لیے سہولتوں اور آسائشوں کا سامان فرمائے۔

دینِ حق کے کارخانوں کے وہ کاری گر بھی تھے
ہر قدم میدانِ افسانہ کے بازی گر بھی تھے
سَرسَری سی ان کے بارے میں ہیں دو باتیں فقط
اشتیاق احمد لکھاری تھے، لکھاری گر بھی تھے

میرے ماموں

شازیہ نور

بات کہاں سے اور کیسے شروع کروں اگر چہ باتیں تو بہت ہیں مگر دل و دماغ عجب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اپنی وفات سے قبل انہوں نے کئی مرتبہ فون کر کے مجھے کہانیاں بھیجنے کے لیے کہا اور اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں ہر مرتبہ انہیں یہ جواب دیتی رہی کہ میں کوشش کروں گی آپ دعا کیجیے گا، پھر اچانک 9 جون کو منگل کے دن میرے بڑے بھائی جان کا کراچی میں انتقال ہوگیا۔ صدمہ بہت گہرا تھا، خود کو سنبھالتے سنبھالتے دو ماہ سے زیادہ گزر گئے تھے اور اس عرصے میں دو تین مرتبہ وہ مجھے فون کر کے دلاسہ دے چکے تھے۔ کچھ دنوں بعد میں نے کہانی لکھ کر بھیجنے کا فیصلہ کیا، ایک کہانی لکھی، دوسری لکھنا شروع کی، ابھی وہ نامکمل تھی کہ 25 اگست کو منگل کا دن طلوع ہوا اور یہ غمناک خبر ملی کہ میری اکلوتی اور بڑی بہن کا جدہ میں انتقال ہوگیا، ابھی تو میں بھائی جان کے دکھ کو تازہ محسوس کر رہی تھی، ٹھیک ڈھائی ماہ بعد باجی کے انتقال کی خبر نے مجھے دل گرفتہ کر دیا، کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا، کچھ کرنے کو دل نہیں کرتا تھا۔

ایسے میں محترم اشتیاق احمد صاحب نے میرے غم کو محسوس کیا، مجھے حوصلہ دیا اور بچوں کا اسلام میں بھائی جان کے بعد باجی کی وفات کی اطلاع بھی چھاپی، جسے پڑھ کر بہت سے قارئین نے ان دونوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ یہ سب اشتیاق احمد صاحب کی وجہ سے ممکن ہوا، میں ان کی بہت ممنون تھی اور ان سب قارئین کی بھی جنھوں نے دعاؤں میں یاد رکھا۔ پھر کچھ دن گزرے تو دل نے کہا کہ اب تو کہانی لکھ کر بھیج دوں، سوچتی رہی اور سوچتے سوچتے 17 نومبر کو ایک اور منگل آیا اور یہ افسوس ناک خبر ملی کہ اشتیاق احمد صاحب بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

آہ......! کتنا صدمہ، کتنی تکلیف ہوئی، یہ ناقابلِ بیان ہے اور صدمہ کیوں نہ ہوتا آخر وہ میرے منہ بولے ماموں بھی تو تھے۔ بہت محبت کرنے والے ماموں، ایک مرتبہ جب وہ لاہور کے ایک مدرسہ "جامعہ عبداللہ بن عمر" آ رہے تھے اور انہوں نے میرے علاقے کے قریب سے ہو کر جانا تھا تو میں نے ان سے اصرار کیا کہ وہ میرے گھر کھانے پر تشریف لائیں، مجھے یہ خواب لگتا تھا لیکن حقیقتاً انہوں نے میرے گھر کو رونق بخشی، اس روز میں ہی نہیں بلکہ میرے میاں اور بچے بھی بہت خوش تھے۔ سب نے ان سے آٹو گراف لیے اور انہوں نے اپنی ایک کتاب "میری کہانی" پر یہ الفاظ سجا دیے "شازیہ نور کے لیے جن کا میں ماموں ہوں" وہ میرے ماموں ہی نہیں بلکہ میرے استاد بھی تھے، ان کی کہانیاں اور ناول پڑھ پڑھ کر ہی تو میں نے لکھنا سیکھا تھا۔

وہ بہت اچھے انسان تھے، وہ بہت ہی اچھے میزبان تھے، ایک مرتبہ میں اپنے شوہر کے ساتھ جھنگ گئی تھی، اس روز ان کے پاؤں میں موچ آنے کی وجہ سے تکلیف تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہمیں لینے کے لیے بس اسٹاپ پر موجود تھے، ہم نے ان کے گھر کھانا کھایا، ان کا پورا گھر دیکھا اور خصوصاً ان کا وہ خاص کمرہ، جہاں بیٹھ کر وہ لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے جس طرح ہمیں وقت دیا، وہ میرے لیے اعزاز ہے۔ شکر الحمدللہ! میرے شوہر خاور نسیم نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ سب کو معلوم ہے کہ وہ "ختم نبوت" کے رکن تھے لیکن مجھے ایک راز بھی معلوم ہے، جو میرے اصرار پر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی کر چکے تھے..... سبحان اللہ!

میرا دل و زبان ان کی مغفرت کے لیے، درجات کی بلندی کے لیے مسلسل دعا گو ہیں، جب کوئی بڑی شخصیت فوت ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں خلا پیدا ہوگیا، مگر سچ تو یہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا خلا پورا ہونا، ناممکن سا ہوتا ہے اور اشتیاق احمد صاحب ان ہی میں سے تھے۔

اب ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد میں قلم اٹھانے سے جھجکتی ہوں کہ جب وہ زندہ تھے اور کہتے تھے کہ کہانیاں لکھیں شازیہ اور میں انہیں کوئی کہانی نہ بھیج سکی تو اب کس طرح لکھوں، یہ فی البدیہ تحریر ہے معلوم نہیں کیا لکھ گئی، کیا رہ گیا!

اشتیاق احمد
ایک نظر میں

☆ اشتیاق احمد کے تمام ناولوں کی تعداد تقریباً 1000 ہے۔

☆ اشتیاق احمد نے مختلف موضوعات پر تقریباً 200 اسلامی کتب تحریر کیں۔

☆ اشتیاق احمد کا سب سے بڑا ناول غار کا سمندر ہے، جس کے صفحات کی تعداد 2000 ہے۔

☆ اشتیاق احمد کے قلمی ناموں میں اونوید، ادیب خان ادیب، عبداللہ فارانی، سرور مجذوب وغیرہ ہیں۔

☆ اشتیاق احمد کی کہانیوں کی تعداد تقریباً 2000 سے زاید ہے۔

☆ اشتیاق احمد شمارہ 1 سے شمارہ 700 تک دو باتیں کے بہانے سے 1400 باتیں کر چکے ہیں۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کا سب سے پہلا ناول پیکٹ کا راز ہے جو مکتبہ عالیہ سے 1972ء میں شائع ہوا۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کی پہلی دو باتیں ناول محمود، فاروق اور فرزانہ کا اغوا میں شائع ہوئی۔

☆ اشتیاق احمد کو آج تک بہت سے ایوارڈ مل چکے ہیں۔

☆ اشتیاق احمد کی سب سے پہلے جو کہانی شائع ہوئی وہ بڑا قد تھی جو رسالہ قندیل میں شائع ہوئی۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کے پہلے افسانے کا نام فریم تھا جو رسالہ شمع میں شائع ہوا۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کا سب سے پہلے غیر جاسوسی ناول منزل ملی انہیں تھا۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کا سب سے پہلا کالم ضرب مومن میں شائع ہوا جس کا نام امید تھا اور ملا عمر پہ لکھا گیا تھا۔

☆ اشتیاق احمد ایک ماہ میں چار چار ناول لکھا کرتے تھے۔

یہ کون اٹھ کے اس جہاں سے چلا گیا

فوزیہ خلیل۔ کراچی

یادوں کے سمندر میں بہت ہی وسعت ہوتی ہے اور یہ وسعت کئی عشروں پر محیط ہے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو گھر میں اپنی خالاؤں اور ماموں کو جناب اشتیاق احمد کے ناول پڑھتے ہوئے پایا۔ اسکول میں بھی تقریباً تمام بچے ان کے ناول بہت شوق سے پڑھتے۔ میرا بھی پورا بچپن اور لڑکپن انہی کے ناول پڑھتے ہوئے گزرا۔ مجھے یاد ہے جب شاید دس سال کی تھی تو ایک مرتبہ لاہور گئی تھی۔ وہاں اپنے نانا کے ساتھ سانده گئی۔ اشتیاق پبلی کیشنز کی گلی تک گئی، مگر اندر نہیں گئی۔ سوچ کر رک گئی تھی کہ وہ عام افراد سے کیا بات کریں گے؟ یقیناً منع کر دیں گے کہ میں بہت مصروف ہوں۔ بس وہیں سے واپس لوٹ آئی تھی۔

مجھے یاد ہے دسمبر 2007ء میں پہلی مرتبہ میری کہانی 'بچوں کا اسلام' میں چھپی تھی اور چند دن کے بعد ہی فون آیا تھا۔

''السلام علیکم! میں اشتیاق احمد بول رہا ہوں۔ آپ کی تحریر پا کر خوشی ہوئی۔ میں امید کروں گا، آپ ہمارے رسالے میں مستقل لکھتی رہیں گی۔''

اور پھر اکثر ہی ان کے فون اور میسج آیا کرتے۔ گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو فوراً ہومیو پیتھک دوا تجویز کرتے۔ پھر بار بار خیریت دریافت کرتے، اگر فائدہ ہو جاتا تو بہت خوش ہوتے، مسکرا کر کہتے: ''بھئی ہماری..... فیس' میں فوراً سمجھ جاتی۔

''جی ہاں پانچ کہانیاں ارسال کر دیں''بچوں کا اسلام'' کے لیے.....''

بچوں کے مشاعرے میں 2009ء میں کراچی تشریف لائے تھے۔ مشاعرے کے اگلے ہی دن وہ ہمارے گھر جناب قاری عبدالرحمٰن کے ساتھ دوپہر کے کھانے پر تشریف لائے۔

اس قدر عاجزی اور اس قدر انکسار۔ سب ہی ان سے مل کر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

اتنی شفقت، اتنی حوصلہ افزائی، اتنی سادگی! کیا کیا بتایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ الفاظ ہی نہیں جو دل کی کیفیت کی سچی ترجمانی کر سکیں مگر جانے والوں کو کون روک سکتا ہے، جو آیا ہے اس نے جانا بھی ضرور ہے۔ آج جب ہم اپنے بچوں کی بھی، اپنی ہی طرح ناولوں سے بے تحاشا رغبت دیکھتے ہیں تو ان کے سدا بہار قلم پر رشک آتا ہے۔ چالیس برس تک اپنے قلم کی نوک کو زنگ نہ لگنے دینا اور شہرت کی بلندیوں پر مسلسل براجمان رہنا، بے شک بہت ہی بے مثال وصف ہے۔

انتقال سے دو روز قبل 14 نومبر بروز ہفتہ کو دوپہر میں پروگرام طے ہوا کہ اتوار کو ان کی طرف جانا ہے (وہ ہمیشہ جب کراچی آتے تھے قاری عبدالرحمٰن کو میزبانی کی سعادت حاصل ہوتی تھی)۔ ہمیں بھی ان ہی کے گھر جانا تھا۔ پھر رات دس بجے ان کا پھر فون آیا کہ ابھی ابھی ایکسپو سے آیا ہوں اور یاد دہانی کروا رہا ہوں۔

میں نے عرض کیا: ''اتوار کو تو آپ کو دار العلوم کورنگی جانا ہے۔''

بولے ''نہیں ہم دوپہر بارہ بجے وہاں سے نکل جائیں گے۔ میں نکلتے وقت آپ کو فون کروں گا۔''

اگلے روز 15 نومبر ٹھیک بارہ بجے ان کا فون آیا کہ ہم دار العلوم سے نکل چکے ہیں۔ آپ لوگ بھی روانہ ہو جائیں۔

دوپہر ڈھائی بجے تک کا وقت ہم نے یعنی میرے شوہر اور تینوں بیٹوں نے ان کے ساتھ گزارا۔ یہ وقت سب ہی کے لیے زندگی بھر کے لیے یادگار ہو گیا۔ اپنی جیب میں سے چھوٹی سی ڈائری نکالی اور اس کا ایک ورق پھاڑ کر میرے بیٹے کے لیے کچھ ہومیو پیتھک دوائیں لکھی تھیں۔ میری آنتوں میں مستقل تکلیف رہتی ہے تو جھنگ سے میرے لیے دوائیں لے کر آئے تھے۔ دواؤں کا وہ پیکٹ ابھی تک یونہی بند کا بند ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے کچھ سطریں بھی لکھی ہوئی ہیں۔

تین نسلوں نے ان کے ناولوں سے فیض اٹھایا۔ ان کو مذہب وملت سے محبت کرنا سکھایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ناولوں میں مقصدیت بڑھتی گئی۔ وہ زمانے کے دھارے کے خلاف اور پانی کی مخالف سمت میں تیر رہے تھے۔ اب دور دور تک ایسی تفریحی کتب نظر نہیں آتیں جو ہم بے فکری سے اپنے بچوں کے ہاتھوں میں دے سکیں۔ وہ بچوں کے جاسوسی ادب کے بانی بھی تھے اور عروج پر لے جانے والے بھی۔

مومنین کے لیے اللہ رب العزت کے بہت سے وعدے ہیں۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

محمد حذیفہ حیدر۔ چیچہ وطنی

- ☆ اشتیاق احمد کی پیدائش 5 جون 1944ء ہے۔
- ☆ اشتیاق احمد کی جائے پیدائش پانی پت ضلع کرنال مشرقی پنجاب ہے۔
- ☆ اشتیاق احمد نے ابتدائی تعلیم شیخ لاہور پرائمری اسکول جھنگ صدر سے حاصل کی۔
- ☆ اشتیاق احمد نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔
- ☆ اشتیاق احمد کے تین بھائی اور ایک بہنیں، بہن بھائیوں میں سب سے بڑے خود تھے۔
- ☆ اشتیاق احمد کی شادی 1967ء میں ہوئی۔
- ☆ اشتیاق احمد کی پہلی سوانح حیات 1982ء میں شایع ہوئی۔
- ☆ اشتیاق احمد کی سوانح حیات چار بار لکھی جا چکی ہے۔
- ☆ اشتیاق احمد کی سب سے طویل دو باتیں شمارہ نمبر 416 یعنی کہ بچوں کا اسلام نمبر اور ان کی کتاب میری کہانی میں شایع ہوئی۔
- ☆ اشتیاق احمد نے 71 سال کی عمر پائی۔
- ☆ اشتیاق احمد نے ختم نبوت کے لیے بہت کام کیا۔ ان کا ایک ناول وادی مرجان قادیانیوں کے خلاف لکھا گیا، جس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کو عالمی مجلس ختم نبوت کی مجلسِ شوریٰ کا رکن چن لیا گیا۔
- ☆ اشتیاق احمد نے ریڈیو پاکستان کے لیے بھی جاسوسی ڈرامے لکھے۔
- ☆ اشتیاق احمد کے کچھ ناول الیکٹرانک میڈیا پر بھی پیش کیے گئے۔
- ☆ اشتیاق احمد کا انگلش میں انٹرویو ملک کے مشہور ومعروف انگریزی اخبار روزنامہ ڈان کراچی میں 19 فروری 1996ء کو شایع ہوا۔
- ☆ اشتیاق احمد 17 نومبر 2015ء کو دن تقریباً 2 بجے کراچی ایئرپورٹ پر خالق حقیقی سے جا ملے۔

دعا: اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

تیری مرگِ ناگہاں کا

حفصہ سیماب

ہمارے صحن میں ایک انتہائی خوب صورت سفید رنگ کا پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس پرندے کی طرف دیکھتی رہی۔ جب قریب جانے لگی تو وہ اڑ کے گھر سے باہر جا بیٹھا۔ میں پرندے کے پیچھے باہر بھاگی تو وہ اڑ کے ہمارے گھر کے اوپر سے ہوتا ہوا دور ہونے لگا۔ میں روتے ہوئے اس پرندے کے پیچھے بھاگ رہی تھی، پھر وہ پرندہ ایک کچے گھر کی چھت پر بیٹھ گیا۔ اس کے اردگرد اسی جیسے اور بھی کئی گھر بنے ہوئے تھے۔ میں روتے ہوئے بڑی حسرت سے اس پرندے کو دیکھنے لگی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

☆

گھڑی شام کے سات بجا رہی تھی۔ انکل ائیر پورٹ سے نکل کر ہمارے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ساڑھے سات کے لگ بھگ انکل گھر پہنچے اور ہم گھر والوں نے جو بڑی بے چینی سے انکل کا انتظار کر رہے تھے، سکون کا سانس لیا۔ اس بار میں انکل کے آنے کا بڑی شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ کچھ ماہ پہلے میں نے انکل کو خواب میں دیکھا تھا کہ انکل ہمارے گھر میں آئے ہوئے ہیں اور ہنس ہنس کے باتیں کر رہے ہیں۔ آج بھی پہنچتے ہی انکل نے سلام کیا تو انکل کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں نے پردے کے پیچھے سے انکل کو سلام کیا، حال پوچھا تو انکل ہنستے ہوئے کہنے لگے کہ ٹھہریں، میں اپنے کان لگا لوں (اشارہ آلہ سماعت کی طرف تھا)۔

اگلے دن اسکول جاتے ہوئے انکل کو سلام کیا تو انکل بہت خوش ہوئے۔ اچانک میری نظر انکل کے چہرے پہ پڑی۔ انکل کے چہرے پہ اتنا نور تھا کہ میں حیران رہ گئی۔ یہ نور بلاوجہ نہیں تھا، اللہ سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا تھا اور یقیناً اس کا اثر انکل کے چہرے پہ جھلک رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل پکار پکار کر کہنے لگا کہ اب انکل کی مسافت تھوڑی ہی رہ گئی ہے۔ 22 اکتوبر کو انکل سے میری بات ہوئی تو انکل نے بتایا کہ 12 نومبر کو کراچی آؤں گا اور 17 کو واپسی ہے گویا اس بار زیادہ دن آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کو ملیں گے، لیکن وہ زیادہ دن بھی پلک جھپکنے میں گزر گئے اور انکل کے جانے والا دن آ گیا۔ 17 تاریخ کو میں اسکول جانے سے پہلے انکل سے ملنے رکی تو انکل مجھے دیکھ کر فوراً اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ میں نے انکل کو سلام کیا۔ انہوں نے میری بیٹی امیمہ کو سینے سے لگایا، ماتھا چوما اور پھر سر پہ ہاتھ پھیرنے لگے۔ مجھے لگا کہ ہمارے گھر سے انکل کسی سفر پہ جا رہے ہیں اور جلد ہی لوٹ آئیں گے۔

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی
مثوال فی قلبی فاین تغیب

اسکول سے واپس آتے ہوئے اچانک میری طبیعت گھبرانے لگی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور دل کے مقام پہ درد شروع ہو گیا، سانس تک لینا دشوار ہو گیا۔ مجھے لگا کہ میں گھر نہیں پہنچ سکوں گی، مگر تھوڑی دیر بعد حالت نارمل ہونے لگی۔ گھر پہنچتے ہی روح فرسا خبر ملی کہ ائیر پورٹ پہ انکل کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ ابو جان انکل کو لینے جا رہے ہیں، پریشانی کے عالم میں آیت کریمہ کا ورد شروع کیا، مگر چند منٹ بعد ہی ابو جان کا فون آ گیا کہ انکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ دل ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اتنا بڑا حادثہ، اتنا بڑا صدمہ آخر اچانک کیسے ہو سکتا ہے؟

آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بڑی مشکل سے چیخوں کو ضبط کیا۔ صبح کے مناظر میری آنکھوں میں آ گئے۔ صبح نکلتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ امیمہ کو جب آپ کے جانے کا پتا چلا تو رونے لگ گئی کہ ابا جی کیوں جا رہے ہیں تو انکل ہنستے ہوئے بولے:

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں"

انکل جی اس وقت آپ کے منہ سے اتفاقاً بھی وہ جملہ نہیں نکلا جو آپ ہر بار جاتے ہوئے کہتے تھے کہ دوبارہ آؤں گا۔ انکل آپ نے رسماً ہی کہہ دیا ہوتا کہ کراچی آؤں گا۔ آپ نے پہنچنے والے دن کہا تھا کہ یہ کیا قاری صاحب اس بار تو آپ نے اللہ میاں کے قریب گھر لے لیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے زور سے قہقہہ لگایا۔ ہمیں کیا معلوم تھا انکل آپ کی اگلی منزل اللہ میاں کا پڑوس ہے۔ میرا چند دن پہلے دیکھا جانے والا خواب سچا ہو گیا تھا۔ آپ آخری سفر کے لیے ہمارے گھر سے ہی الوداع ہوئے۔ ابو جان کے غم خوار دوست ان سے بچھڑ چکے تھے۔

ابو جان کی خوشی میں خوش ہونے والے اور ابو جان کے غم میں برابر کے شریک ہونے والے کتنا بڑا صدمہ دے گئے۔ انکل جی! ہمیں ہر معاملہ میں حوصلہ دینے والے آپ ہوتے تھے۔ اب آپ کا صدمہ سہنے کا حوصلہ کون دے گا، چند گھنٹوں پہلے ہمیں اسکول کے لیے رخصت کرنے والے انکل آج یک دم کندھوں کے محتاج ہو گئے تھے۔ آپ کو غسل دینے کے بعد جب باہر لایا گیا تو ہم نے سنا کہ سفید لباس میں پرسکون، ابدی نیند سونے والے انکل بہت ہی پیارے لگ رہے تھے۔ جن کی شگفتہ مزاجی کے سبب گزشتہ پانچ روز سے ہمارے گھر میں قہقہے گونج رہے تھے، آج ہمارے گھر کو کتنا ویران کر گئے تھے۔

جانے والی صبح انکل کسی بات پہ زور سے ہنسے تو میری آنکھ کھل گئی۔ وقت دیکھا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ انتقال کے بعد آنے والی رات کو میں بیٹھی رہی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ صبح کسی وقت چند لمحات کے لیے آنکھ لگی مگر ایک جھٹکے سے میں جاگ اٹھی۔ یہ وہی وقت تھا، جب گزشتہ دن انکل کے ہنسنے سے میری آنکھ کھلی تھی۔ آج انکل کی میت تابوت میں بند اس وقت جھنگ کی طرف رواں دواں تھی۔

انکل جی! آپ دنیا میں بچوں کی زندگی سنوارنے کی کوشش میں مصروف رہے اور آخرت میں بھی بچوں کے جھرمٹ میں جا سوئے۔ آپ کو بچے بہت اچھے لگتے تھے ناں! اللہ نے آپ کو بچوں کا ہی پڑوس عطا کیا۔ آپ کی طبیعت میں بھی بچوں جیسی سادگی، معصومیت اور سچائی تھی۔ ہمیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ آپ ہم سے روٹھ کے ان راہوں کے مسافر بن گئے ہیں جن سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ اللھم اغفرہ وارحمہ......

تین نسلوں کا ادیب

عبداللہ بن مستقیم۔ کراچی

اس دن میں نے دیکھا امی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں، میں بھی پاس ہی جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں تقریباً دس سال کا تھا۔ امی نے کتاب پر سے نگاہ ہٹائی اور مجھ سے مخاطب ہوئیں: ''بیٹا! یہ جو میں کتاب پڑھ رہی ہوں یہ اشتیاق احمد کا ناول ہے۔ جب ہم لوگ کالج میں تھے اس وقت انہوں نے ناول لکھنا شروع کیا تھا۔ ہم دوستیں پیسے جمع کر کے ان کے ناول خریدتی تھیں۔ کبھی پیسے نہیں ہوتے تھے تو کرائے پر لے جاتی تھیں۔ اماں یعنی تمہاری نانی کبھی مجھے ناول پڑھتے ہوئے دیکھ لیتیں تو بہت بگڑتی تھیں، کہتی تھیں فالتو کتابیں نہیں، نصاب کی کتابیں پڑھا کرو، لیکن میں بھی کہاں باز رہنے والی تھی، چھپ کر ناول پڑھتی تھیں۔''

امی مجھے بہت شوق سے اشتیاق احمد کے بارے میں بتا رہی تھیں اور میں سنتا جا رہا تھا۔

بچوں کی کہانیاں تو میں پہلے ہی پڑھتا تھا۔ ایک دن امی سے اشتیاق احمد کا ایک ناول لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ یکا یک اس ناول نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُدھر امی جان مجھے کھانے کے لیے آوازیں ہی دیتی رہ گئیں، مگر مجھے ہوش کہاں تھا، میں تو ناول میں گم تھا۔ اچانک کسی نے مجھے آہستہ سے جھنجھوڑا۔ ناول کی دنیا سے باہر آ کر اوپر دیکھا تو امی تھیں، کب سے آوازیں دے رہی ہوں، کھانے کے لیے کیوں نہیں آتے؟

''مگر امی مجھے پتا ہی نہیں چلا!''

امی مسکرا دیں، پھر بولیں: ''ہاں مجھے معلوم ہے میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا، تبھی تمہاری نانی مجھے ڈانٹا کرتی تھیں۔''

پھر ناول پڑھنا مشغلہ بن گیا۔ میرے ہم جماعتوں کو جب جیب خرچ ملتا تھا وہ اس سے ٹافی اور آئسکریم خریدتے تھے، جبکہ میں ان پیسوں سے اشتیاق احمد کے ناول خریدتا تھا، چنانچہ میرے پاس ناولوں کا اچھا خاصا اسٹاک جمع ہو گیا۔ ناولوں کے مطالعے سے میرے اندر خود کچھ لکھنے کی خواہش جاگی، چنانچہ میں نے کہانی لکھی اور اس وقت کے ایک رسالے کو بھیج دی، کہانی چھپی اور میں بڑا خوش ہوا۔ ناولوں کے مطالعے کی وجہ سے اشتیاق احمد کی تحریروں کا رنگ میری کہانیوں میں نظر آنے لگا، اسی وجہ سے میری کہانیاں بلا چوں و چرا چھپ جاتی تھیں۔

ایک عرصے بعد خبر ملی کہ روزنامہ اسلام نے بچوں کا ایک رسالہ شروع کیا ہے، جس کا نام بچوں کا اسلام ہے اور اس کا مدیر اشتیاق احمد کو بنایا گیا ہے۔ بس، اشتیاق احمد کا نام سنتے ہی وہ رسالہ میں نے فوراً گھر پر لگوا دیا تاکہ بچوں کی تربیت ہو، کیونکہ بچے اب بڑے ہو گئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ رسالہ جتنا بچوں کے لیے مفید ہے، اتنا ہی بڑوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ چنانچہ میں نے اس رسالے میں بھی کہانیاں لکھنی شروع کر دیں۔ خط و کتابت کے ذریعے اشتیاق احمد سے ایک قلمی تعلق پیدا ہو گیا تھا، گو کہ انہیں دیکھا کبھی نہیں تھا لیکن دل میں ان کے لیے محبت اور ایثار کے جذبات تھے۔

ایک دن رات کے وقت پرانے اسٹاک میں سے ایک ناول نکال کر اس کے مطالعے میں مصروف تھا کہ میرے بچے اچانک میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ بیٹے نے کہا: ابو آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: بیٹا میں اشتیاق احمد کا ناول پڑھ رہا ہوں۔ یہ بچوں کے سب سے بڑے ناول نگار ہیں۔ ہمارے گھر میں جو بچوں کا اسلام آتا ہے اسی کے مدیر بھی ہیں۔ اب تک ان کے 700 سے زاید ناول شائع ہو چکے ہیں اور یہ ان کا ریکارڈ ہے۔ ''اچھا ابو! پھر تو ہمیں بھی دیں، ایک ایک ناول'' میرے بیٹے اور بیٹی نے یک زبان ہو کر کہا۔

''وہ سامنے بک شیلف میں سے اٹھا لو''

پھر میں نے دیکھا، بچوں کے معمول میں تبدیلی آنے لگی، پہلے وہ پڑھائی سے فارغ ہو کر کمپیوٹر گیم کھیلتے تھے، لیکن اب وہ ناول پڑھنے لگے اور کیوں نہ پڑھتے، اشتیاق احمد کے ناولوں میں بات ہی ایسی تھی۔ میں بہت خوش ہوا کہ چلو بچوں کو ان اوٹ پٹانگ گیمز سے تو نجات ملی۔

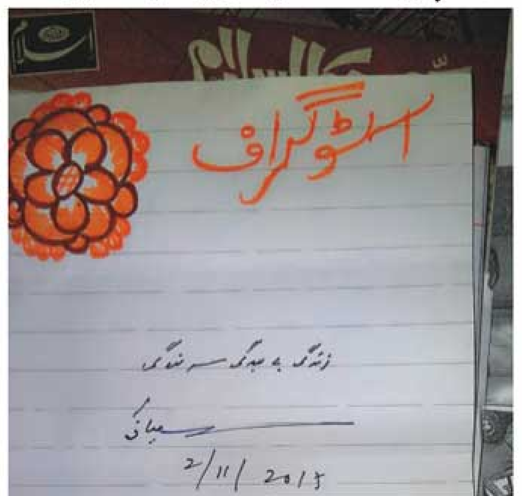
پھر میرے بچوں نے بچوں کا اسلام میں کہانیاں لکھنا شروع کیں۔ بچوں کا اسلام اور ناولوں کے مطالعے کی وجہ سے ان کی لکھی ہوئی کہانیاں جاندار ہوتی تھی، اس لیے زیادہ تر کہانیاں چھپنے لگیں۔ خط و کتابت کے ذریعے ان کا بھی اشتیاق احمد سے تعلق پیدا ہو گیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح رواں دواں تھا کہ ایک دن روح فرسا خبر ملی، پہلے پہل تو یقین نہ آیا مگر جب تین چار معتبر ذرائع سے معلوم کیا تو مجبوراً یقین کرنا پڑا۔ خبر یہ تھی: اپنی تحریروں کے ذریعے تین نسلوں کی تربیت کرنے والے 800 ناولوں کے ادیب اور لکھاری، انسپکٹر جمشید سیریز کے بانی اور عبداللہ فارانی کا قلمی نام رکھنے والے اشتیاق احمد انتقال کر گئے۔

یہ خبر پڑھ کر ایک دھچکا لگا، دل بیٹھ سا گیا دو آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں پر لڑھک گئے۔ امی کو بتایا تو امی سے بھی رہا نہ گیا، ان کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ واقعی انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے پوری تین نسلوں کی تربیت کی تھی، پہلے امی کو اردو سے جوڑا، پھر میں نے ان کی بدولت کہانیاں لکھنے کا فن سیکھا، اب میرے بچے کہانیاں لکھ رہے تھے۔ اگلے روز جب میرے بچوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو میرے پاس آ کر بڑے غمگین انداز میں کہنے لگے۔

ابو اب ہماری کہانیوں کی اصلاح کون کرے گا؟ اب جب ہم کہانیاں لکھیں گے تو انہیں اصلاح کی خاطر ردی کی باسکٹ میں کون ڈالے گا؟ ابھی تو صرف ہماری چند کہانیاں ہی چھپی ہیں، ہمیں ابھی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

میں انہیں کیا جواب دیتا، خود جو اتنا غمگین تھا بس یہ شعر پڑھ کر انہیں سنا دیا۔

ابھی جامِ عمر بھرا نہ تھا، کفِ مستِ ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا



مکانِ دنیا سے مکینِ جنت ہوئے

بنت مولانا عبدالمجید قدس سرہ

''میں اگلے ہفتے بہت مصروف رہوں گا۔ بارہ نومبر کو اشتیاق صاحب جھنگ سے کراچی تشریف لا رہے ہیں اور ان کی میزبانی کا شرف اللہ نے مجھے بخشا ہے۔''

قاری صاحب کی آواز سے مسرت واضح چھلک رہی تھی۔ وہ اشتیاق صاحب کی آمد پر انتہائی پرجوش اور خوش لگ رہے تھے۔ حسب وقت مقررہ بارہ تاریخ کو انکل کی آمد ہوئی اور قاری صاحب ان پر گویا اپنے روز وشب نچھاور کرنے کو بیتاب ہوگئے۔ اس دوران قاری صاحب سے جب بھی رابطہ ہوتا تو انکل کے دورے کی تمام تر تفصیل ایسے سناتے جیسے کسی کتاب سے دیکھ کر ازبر کی ہوں اور یہ انکل سے ان کی بے پناہ محبت اور والہانہ عقیدت کا مظہر تھا کہ وہ ہر دم و ہر لحظہ ان پر نثار کیے ہوئے تھے۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود 15 نومبر کو انہوں نے میری اشتیاق انکل سے بات کروائی۔ ''السلام علیکم انکل......!''

احباب واقرباء کے اس ہجوم بے پناہ میں بھی انکل نے مجھے فوراً پہچان کر حال احوال دریافت فرمایا۔ ادبی سرگرمیوں سے بظاہر تعلق کم کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ میں نے جھٹ سے اپنے غربت کدہ میں تشریف لانے کی دعوت دی تو انکل نے قلتِ وقت کے پیشِ نظر معذرت کی اور سالِ آئندہ اس پیان کو ایفا کرنے کا وعدہ کیا، پھر میری تعلیمی وتدریسی مصروفیات دریافت کرنے کے بعد شفقت سے بولے:

''بیٹا! کل میری واپسی ہے، معلوم نہیں، آپ سے پھر بات کرسکوں یا نہ کرسکوں، لیکن ایک بات عرض کروں گا کہ زندگی میں ہمیشہ اخلاص سے کام کیجیے گا، میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ حاصل کیا وہ اخلاص ہی کی بدولت حاصل کیا اور ابھی تک اخلاص ہی میرا توشہ ہے۔''

''بہت شکریہ انکل! اللہ آپ کی تمام تر مساعی قبول فرمائیں، مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔'' مختصر گفتگو کے بعد فون بند ہوگیا اور انکل کا پدرانہ شفقت سے بھرپور لہجہ دل پر گہرے نقش چھوڑ گیا۔

ان کے متوجہ کرنے پر دل ودماغ کو دوبارہ سے قلم وکاغذ سے رشتہ استوار کرنے پر آمادہ کرنے لگی کہ اب کی بار ضرور کچھ لکھنا ہے۔ یہی سوچتی رہی کہ کیا لکھوں کہ پہلے سے الگ اور مختلف ہو...... اسی شش وپنج میں تھی کہ اچانک میسج آیا کہ اشتیاق صاحب کی طبیعت خراب ہے دعا کریں۔ میں جو اکثر ایس ایم ایس دیکھنے میں سستی کرتی ہوں، نجانے کیوں وہ میسج فوراً پڑھ لیا اور پڑھتے ہی دل ایک انجانے وسوسے اور اندیشے سے لرزا......

''کچھ نہیں ان شاء اللہ...... تھکن ہوگی، یا موسم وعلاقے کی تبدیلی کچھ ناسازیٔ طبع کا باعث ہوگی۔''

پھر اسی وقت قاری صاحب کے نمبر پر فون ملانا چاہا مگر خیال آیا کہ لرزتی آواز سے پریشان نہ ہوجائیں، سو انہیں میسج کردیا کہ اشتیاق انکل کیسے ہیں؟ اگلے دو چار پل میں ہی اسکرین پر جو پیغام تھا، اسے پڑھ کر بھی پڑھا نہ جا سکا۔ کیا قیامت کے الفاظ تھے کہ دماغ سن ہوگیا اور نگاہیں پتھرا سی گئیں......نہ......نہ......دل مان کر نہ دیا، مگر زبان سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہوگیا!

وہ شخص جو کچھ دیر تھا ٹھہرا یہاں
اچانک اپنی منزل کو روانہ ہوا
ان کی جدائی حقیقت اور امرِ ربی ہے
دل ناداں کا کہنا ہے شاید فسانہ ہوا

ابھی تو بہت سے پیان چکانا تھے۔ انکل کیسے اتنی خاموشی سے چلے گئے؟ وہ تو ہر معاملے میں پہلے سے وقت طے کرکے سب کو خبر کردیا کرتے تھے...... ہر خاص شمارے کی اشاعت کا اعلان تین ماہ قبل ہی کردیتے تھے...... وہ تو جہاں بھی جاتے تھے پہلے سے روانگی اور واپسی کی اطلاع کرکے جاتے تھے...... میرا دماغ ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ یکا یک ڈوبتا ہوا دل بول اٹھا...... انکل خاموشی سے نہیں گئے...... وہ منظم تھے اور تادمِ واپسی منظم رہے...... انہوں نے ایک ہفتہ قبل ہی بتادیا تھا کہ 17 نومبر کو میری واپسی ہے، مجھے اس بار جلدی جانا ہے۔

ہاں! انکل نے اپنے کام سمیٹنے کی پوری کوشش کی تھی کہ انہیں جانے کی جلدی تھی۔ انہوں نے تو خاص نمبر بھی تیار کرکے بھیج دیا تھا کہ انہیں جانا تھا...... اور تو اور...... انکل نے ان تمام مصروفیات میں اپنی عزیز از جان لختِ جگر عائشہ کے لیے کراچی سے خوبصورت پوشاک کا تحفہ بھی خرید لیا تھا، کیونکہ پھر ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

شمارہ نمبر 696 کی دو باتوں میں انکل نے اس خواہش کا اظہار کردیا تھا کہ دو باتوں کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے، نظام الاوقات پر کاربند رہنے والے با اصول انکل نے اس بار تو اپنی بیٹی رفعت سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ...... بیٹا! میں جب بھی سفر سے لوٹتا ہوں تو تم تاخیر سے ملنے آتی ہو اور تحائف وسوغاتیں سب پہلے ہی پسند کرلیتے ہیں، لہٰذا اس بار تم میری آمد سے پہلے ہی گھر آجانا۔ وہ تو اور بھی بہت سے رموز میں اسرارِ زندگی سمیٹتے ہوئے وقتِ رخصت کی اطلاع دے رہے تھے، گویا کہنا چاہتے تھے کہ

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

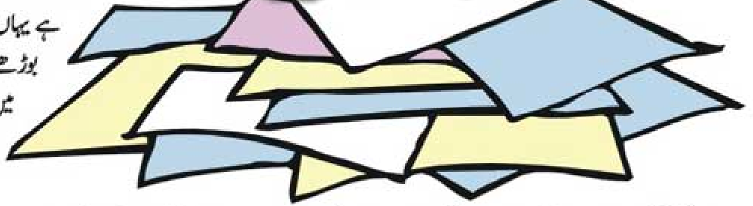
جانے کیوں ایک یقین سا ہے کہ انکل ابدی راحتوں کے نگر میں ہوں گے...... ان کی سب تلخیاں اور ناسازیاں ایک آن میں ختم ہوگئی ہوں گی، وہ پھر سے تر وتازہ اور مثلِ رعنا ہوں گے...... بلند وبالا مسندوں پر اطمینان سے محفلِ سخن سجاتے ہوں گے...... طوالت سے بھرپور خطوط اور بیرنگ ڈاک کے بجائے فرشتے روزانہ دعاؤں کی وزنی ڈاک اور ایصالِ ثواب لے کر جاتے ہوں گے تو انکل مسکراتے اور مسکراتے ہی چلے جاتے ہوں گے!

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

❖ چھوٹا سا قد، دھیمی آواز اور چمکدار آنکھیں...... میرے ذہن میں بس اتنا سا خاکہ ہے۔ وہ میرا الھڑ لڑکپن تھا، جب میں ان کے سامنے اپنے اخبار کے لیے انٹرویو کرنے بیٹھا تھا۔ راتوں کو جاگ کر ہاتھوں سے اخبار لکھنا اور فوٹو کاپیاں کروا کر مدرسے میں پھیلا دینا۔ اخبار کیا تھا گویا ہماری معصوم سی شرارت تھی، جو بعد میں چل کر باقاعدہ پریس سے چھپنے لگا، لیکن پھر یہ ہوا کہ ہم زندگی کی راہوں پر اکیلے ہی نکل کھڑے ہوئے، لڑکپن نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، اور وہ اخبار ہماری جدائی برداشت نہ کرسکا۔ زندگی گزرتی رہی اور یقیناً گزر ہی جائے گی۔ یادوں کے گریبانوں کو رفو کرتے کرتے کب زندگی بسر کی جاتی ہے، کچھ پتا نہیں چلتا۔ سو ہم بھی زندگی کی بھول بھلیوں میں یادیں اپنے دل میں دفن کیے ضرورتوں کی بھیڑ میں گم ہوگئے، لیکن...... آج پھر سے ان خفتہ

تاثراتِ قارئین



یادوں میں گویا کسی نے روح پھونک دی ہے۔ اک معصوم سا نورانی چہرے کا خاکہ سا بار بار ذہن میں گھوم رہا ہے! خدا ان پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے اور اپنی مغفرت کے پانی سے ان کی لغزشوں کو دھو ڈالے۔ آمین

(صفوان احمد۔ دبئی)

❖ محمود چلتے چلتے رک گیا......!

ایک مرتبہ انہیں پڑھا تو پڑھتا ہی چلا گیا۔ بچپن سے اب تک، کیا نئے کیا پرانے؟ ایک جنون تھا، روزانہ پانچ پانچ، چھے چھے ناول پڑھ لیتے۔ ویسے تو سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن اژدھے کی اٹھان (تین جلد) کا تو جواب ہی نہیں! اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، آمین۔ (محمد لاہوری۔ لاہور)

❖ بعض اوقات ہمارے پاس الفاظ نہیں ہوتے کہ کس طرح اپنے دکھ کو بیان کریں۔ الفاظ ٹوٹے پھوٹے، جملے بے ربط، مگر کیا کریں بیان تو کرنا پڑتا ہے نا...... کیا یہ بات تکلیف دہ نہیں کہ اس کا یقین کرلیا جائے کہ اشتیاق احمد صاحب اب نہیں رہے، مگر دوستو! حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ناں، جہاں انہوں نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا، تو کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ ساتھیو! ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پر بخشش کی بشارت ہے۔ تو کیا یہ تحفہ دینا ان کے لاکھوں محبین کے لیے ممکن نہیں! دوستوں سے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اشتیاق صاحب رحمہ اللہ کو ہدیہ ثواب کریں۔ (فرید الحسن)

❖ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، انہوں نے ابن صفی کے بعد جس طرح جاسوسی ناول نگاری کے کام کو احسن انداز سے آگے بڑھایا اور جس طرح بچوں کے اندر اصلاحی مواد کو فروغ دیا، وہ معاشرے کی ضرورت کے عین مطابق تھا۔ ان کے اس کام کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، اللہ کروٹ کروٹ راحت واطمینان عطا فرمائے، آمین۔ (عثمانی بلوچ)

❖ آہ اشتیاق احمد! آکاش ادب کا ایک تابندہ ستارہ، لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن، جو اپنی نوک قلم پر قاری کے دل کو نچاتا تھا، جس کی شہرۂ آفاق سیریز بچوں کے ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، جو ہر ہر صنف ادب پر اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھاتا گیا، جس کے قلم سے لاکھوں مسکراہٹیں اور جذبات وابستہ تھے۔ آج اپنے مداحوں اور پرستاروں کو یوں سوگوار چھوڑ گیا۔ سطح ادب پر اس رجل عظیم نے اپنے قلم سے جو گل وگلزار بنائے ہیں، وہ اب پکار رہے ہیں کہ بلاشبہ تم اپنے قلم اور اپنے صاحب قلم ہونے کا حق ادا کر گئے۔ یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس شکستہ دل کا خراج ہیں، جس کی دراڑیں اب کسی مرہم سے پُر نہیں ہوں گی۔ اللہ مرحوم پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے، آمین۔ (محمد عامر سلیم)

❖ 2011ء میں ہماری 15 دن کی تشکیل جھنگ شہر ہوئی تھی، ہماری جماعت جامع مسجد حق نواز شہیدؒ میں تھی، جماعت کے طالب علم ساتھی نے کہا کہ اشتیاق احمد صاحب سے ملتے ہیں، سنا ہے یہاں قریب رہتے ہیں۔ عصر کے بعد ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ صاحب ہمارے مطلوب ہیں نہیں، ان سے بات کیا کریں لیکن اتنی سنجیدہ اور باوقار شخصیت! آخر میں نے عرض کر ہی لیا کہ اشتیاق صاحب؟ دھیرے سے آواز آئی، جی مجھے کہتے ہیں۔ میں اور میرے دونوں ساتھی حیران رہ گئے۔ ہمیں یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی عمر کے شخص ایسی دو باتیں کیسے لکھتے ہیں، بہر حال ملاقات آدھے گھنٹے پر محیط رہ گئی. رحمت اللہ رحمت واسعہ (خیر الابرار)

❖ اسی کی دہائی میں جوانی کی منازل طے کرنے والے اشتیاق احمد کے نام سے بخوبی واقف ہیں جس نے انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، محمود، فاروق اور فرزانہ جیسے کردار تخلیق کیے تھے، جن کے کارنامے پڑھنے والا ہر نوجوان شاید اپنے دل میں ان جیسا بننے کی خواہش لیے پھرتا تھا۔ اس وقت موبائل فون آیا تھا نہ انٹرنیٹ، اس لیے کھیل کود کے علاوہ ایک اہم تفریح جاسوسی کہانیاں پڑھنا ہوتا تھا۔ یہ ایک اچھی سرگرمی تھی کیونکہ اس سے دل میں کوئی مثبت کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ شاید اگر ہم لوگ یہ جاسوسی ناول نہ پڑھتے تو کسی اور منفی سرگرمی میں جوانی ضایع کردیتے۔ میں خود تو ابن صفی اور مظہر کلیم کی عمران سیریز وغیرہ پڑھتا تھا تاہم مجھ سے اشتیاق احمد کا تعارف میرے کزن عمران نذیر اور سمیر انذیر نے کرایا تھا۔ اشتیاق احمد کی رحلت کا سن کر دل بہت اداس ہوا۔ ایسا لگا جیسے کوئی اپنا چلا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

(سلمان رسول)

❖ ہر ذی روح کو دنیا میں آنے کے بعد ایک نہ ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے، لیکن کچھ ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو کبھی پُر نہیں ہوسکتا۔ آہ! ایک ایسی ہی ہردلعزیز ہستی اشتیاق احمدؒ ہم سے جدا ہوگئے۔ اللہ پاک ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین

(محمد یوسف)

بن دیکھے استاد

محمد نعیم الرحمٰن

''1982ء تک میں نے داڑھی نہیں رکھی تھی، روزانہ شیو کرتا تھا۔ 1982ء میں حج کے لیے گیا تو بھی داڑھی نہ رکھی۔ حج کے دنوں میں وہاں شیو تو نہیں کی لیکن حج سے واپس آتے ہی پھر شیو شروع کردی، لیکن پھر کیا ہوا! ایک دن صبح سویرے شیو کرنے کی تیاری کی۔ گالوں پر صابن لگایا پھر ریزر اٹھایا لیکن ہاتھ گالوں تک نہ گیا۔ ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا اور میں وہیں آئینے کے سامنے کھڑا کا کھڑا ہی رہ گیا۔ اس روز ہاتھ گال تک نہ جاسکا، جانے کیا ہوگیا تھا؟ کبھی کسی نے کہا تک نہ تھا کہ داڑھی رکھ لو۔ پھر دوسرے تیسرے دن بھی شیو نہیں کی۔

بیوی کہنے لگی: ''کیا بات ہے، آج کل آپ شیو کیوں نہیں کر رہے؟''

جواب دیا: ''جی نہیں چاہ رہا، جب جی چاہے گا کرلوں گا۔''

کئی دن گزر گئے شیو کرنے کو جی نہ چاہا اور اس طرح داڑھی رکھ لی۔ دیکھا جائے تو یہ سنتوں کی برکت ہے کہ بچوں کا اسلام کا مدیر بن گیا، ورنہ میں تو کسی مدرسے میں پڑھا ہی نہیں تھا۔''

یہ الفاظ اس عظیم انسان کے ہیں جو اگرچہ آج ہمارے درمیان جسمانی طور پر موجود نہیں، لیکن اپنی منفرد اندازِ تحریر، ادبی، اصلاحی، تاریخی، تعمیری ناولوں، کتابوں اور جاندار تحریروں کے ساتھ آج بھی زندہ ہیں۔

ہمیں محترم سے اس لیے دلی لگاؤ ہے کہ آپ ہمارے بن دیکھے استاد تھے۔ بہت سے لوگوں نے اردو زبان آپ کے کالموں، ناولوں اور بچوں کا اسلام میں آپ کی لکھی ہوئی تحریروں سے سیکھی۔ آپ پر علماء کرام کو اتنا اعتماد تھا کہ آپ کو علماء کرام اپنی خاص مجالس میں بلایا کرتے تھے۔ بچوں کا اسلام آپ کی محنتوں اور کاوشوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اشتیاق احمد نے ایک ایسے وقت میں اسلامی، نظریاتی، ادبی اور تاریخی ناولوں اور رسالوں کی بنیاد ڈالی جب فحش اور افسانوی مواد پر مبنی ناولوں اور ڈائجسٹوں کی بھرمار تھی۔

بعض دفعہ اللہ پاک ایک عام مسلمان سے دین کی خدمت کچھ اس انداز سے لیتے ہیں کہ خواص بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔ اشتیاق احمد بھی انہی زندہ دل لوگوں میں سے تھے۔ ان کی اشاعت دین سے دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اسلامی تاریخ، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور واقعاتِ صحابہ کو اس انداز سے تحریر کرکے نذر قارئین کرتے تھے کہ پڑھنے والا اش اش کر اٹھتا تھا۔

اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انتقال سے کچھ دن قبل آپ نے ضرب مومن میں ایک مضمون بعنوان ''آپ بھی یہ شوق پالیں'' لکھا جس میں آپ نے سنت نبوی پر عمل کی ترغیب دیتے ہوئے تحریر کیا: ''سنتوں پر عمل کرنے کا شوق بھی عجیب ہے، یوں کہہ لیں یہ جستجو کی ایک نئی دنیا ہے اور جوں جوں آپ اس دنیا کے سمندر میں اترتے جاتے ہیں، اتنی ہی زندگی زیادہ مزیدار لگنے لگتی ہے۔''

اللہ تعالٰی انہیں بہترین اجر عطا فرمائیں آمین۔



انوکھا ادیب

تصور سمیع۔ چنیوٹ

یوں تو اردو زبان نے بے شمار ایسے ادیب پیدا کیے جن پر اردو ادب کو ہمیشہ فخر رہے گا...... مگر اشتیاق احمد مرحوم کی پہچان ان سب میں ذرا مختلف ہے۔

جو کام اسماعیل میرٹھی نے کبھی بچوں کے لیے لکھی گئی اپنی نظموں سے لیا، وہی کام اشتیاق احمد مرحوم نے نثر کی مشکل ترین صنف ناول نگاری سے لیا۔ وہ ناول نگاری سے صرف معاشی مفاد حاصل کرنے تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اس خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے بچوں کی لاشعوری انداز میں نفسیاتی طور پر اخلاقی واسلامی تربیت کا بیڑہ اٹھایا اور پھر تا آخر عمر اسی مشن پر کاربند رہے۔ بے شک ناول نگاری ایک مشکل ترین کام ہے، خصوصاً جب وہ بچوں کے لیے ہو اور کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہو تو اس کے ذریعے بچوں کی اخلاقی تربیت کرنا ایک انتہائی نازک کام ہے۔

بچوں کی نفسیات، مزاج، ذہنی کیفیات، شرعی حدود اور اخلاقی اقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوتی نکتہء نگاہ کو ترجیحاً برقرار رکھتے ہوئے اپنے فن کے ساتھ اعلیٰ درجے کا انصاف کرنا اور پھر حد درجہ مقبول ہو جانا یقیناً خدا تعالیٰ کی اس خصوصی مدد کے بغیر ممکن ہی نہیں جو اشتیاق احمد مرحوم کو ہر ہر قدم پر شامل حال رہی۔

شاید ان کے خلوص اور دردمندی ہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'بچوں کا اسلام' کی صورت میں انہیں ایک وسیع اور معتبر میدان عطا فرمایا۔ بچوں کا اسلام کی 13 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا اور ثابت کر دیا کہ 'بچوں کا اسلام' کی وسیع نظر انتظامیہ کا چناؤ غلط نہیں تھا...!

گمان غالب ہے کہ 'بچوں کا اسلام' کے لیے جو محنت، اخلاص اور دردمندی اشتیاق احمد مرحوم نے روا رکھی شاید اس کا کوئی صحیح متبادل میسر نہ آ سکے...... مگر خوش آئند بات یہ ہے کہ جو فضا، جو زمین اشتیاق احمد مرحوم تیار کر کے جا چکے، وہ کسی بھی نئے آنے والے مدیر کے لیے بہت معاون و مددگار ثابت ہو گی... اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خصوصی فضل و کرم کا معاملہ فرمائے اور 'بچوں کا اسلام' کو روز بروز ترقی کی راہ پر یونہی گامزن رکھے .... آمین

بلاشبہ اشتیاق احمد کا چلے جانا ایک شخصیت نہیں، ایک انجمن کی وفات ہے جس کا متبادل دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دیتا...... اللہ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

وہ سرخرو ہوا

حوریہ ذیشان

غالباً چھٹی کلاس میں تھی۔

تھوڑی بہت دینی کتابیں پڑھ چکی تھی۔ ایک دن دادا جی فرمانے لگے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اردو ادب کو سمجھنے کے لیے تم مختلف قسم کی کتابیں پڑھو۔

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ناول میرے ہاتھ میں دے دیا کہ یہ پڑھنا۔ میں نے حیرانی سے دادا جی کی طرف دیکھا کہ دادا جی اور ناول لیکن دادا جی زیر لب مسکرا رہے تھے۔ مجھے کہنے لگے پہلے پڑھ لو پھر اس پر تبصرہ کریں گے۔ ناول کا نام "آستین کے سانپ" تھا اور مصنف کا نام اشتیاق احمد لکھا ہوا تھا۔

وہ میری زندگی کا پہلا ناول تھا پھر اس کے بعد تو جیسے مجھے اور کوئی کام نہیں رہا، ان کے سب ناول ایک ایک کر کے پڑھ ڈالے۔ کیا کیا نہیں سیکھا تھا ان کے ناولوں سے۔ ضرب المثل اور محاورات کا استعمال، انکے معنی، بات سے بات نکالنے کا طریقہ، دین سے محبت، حب الوطنی، ایفائے عہد کی اہمیت، وطن کی خاطر سب کچھ لٹا دینے کا جذبہ۔ اردو سے الفت!

ان کے ناول ایسے ہوتے تھے کہ کوئی بھی باپ بلا جھجک اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے دے سکتا تھا۔ بہن بھائی پڑھنے کے بعد بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس پر تبصرہ کر سکتے تھے۔ سنہری چٹان، باطل قیامت، غار کا سمندر، وادی مرجان، بٹوما کے شیطان، یوڈا پر حملہ اور سی مون جیسے شاہکار ناول لکھنے والا آج ہم میں نہیں رہا۔ بے شک موت ایک اٹل حقیقت ہے اور سب نے اس دنیا سے جانا ہے لیکن کچھ لوگوں کی موت کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ میں کبھی ان سے ملی نہیں تھی، کبھی بات نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اس قدر اپنے اپنے لگتے تھے کہ آج ایسے لگ رہا ہے جیسے دادا جی ایک بار پھر مجھ سے جدا ہو گئے۔ اپنے قلم سے ہمیشہ جہاد کرنے والا سرخرو ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہو گیا۔ آہ! صدمہ بہت زیادہ ہے لیکن ہمیں ہمارے رب کی طرف سے صبر کا حکم ہے۔ کچھ لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ لوگ ان سے کتنی محبت کرتے ہیں اس کا اندازہ انکی وفات کے بعد ہو رہا ہے۔ اردو ادب سے کسی طرح بھی تعلق رکھنے والے ان کا ذکر ہی کر رہے ہیں۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ انکے لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔ اردو ادب اور انکے چاہنے والوں کو انکا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

تحفوں کی دعوت

بنت حافظ۔ لاہور

کیا آپ نے اشتیاق انکل کو پڑھا ہے...؟؟
آپ نے پڑھا ہے... اور آپ نے بھی..!
اوہ اچھا آپ نے بھی.. ارے واہ آپ نے بھی!
واقعی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مطالعے کا ذرا سا بھی ذوق رکھتا ہو اور اس نے اشتیاق انکل کو نہ پڑھا ہو..!
بچپن سے لے کر اب تک...
انسپکٹر جمشید سیریز ہوں...
یا کامران مرزا سیریز یا پھر شوکی برادرز ...
یا پھر خاص نمبرز...
ایک کے بعد ایک ناول کا خوبصورت تحفہ وہ دیتے چلے گئے...
اسی طرح دو باتوں کا تحفہ ان کی طرف سے ہمیشہ ایک خاص تحفہ رہا...
بچوں کا اسلام میں ان کی قدم بہ قدم سیریز سیرت انبیاء قدم بہ قدم، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم بہ قدم، امہات المؤمنین اور بنات اربعہ قدم بہ قدم، عمر ثانی قدم بہ قدم، اسلامی جنگیں قدم بہ قدم، مواقعات صحابہ قدم بہ قدم، ائمہ اربعہ قدم بہ قدم، معجزات قدم بہ قدم سیریز تو خوبصورت ترین تحفوں پر مشتمل ہیں!
اسی طرح بچوں کا اسلام کے خاص نمبرز ہی نہیں، مختلف قلمی ناموں سے بچوں کا اسلام کے لیے لکھی گئی ان کی ہر تحریر ایک سوغات ہوتی تھی... پھر ضرب مومن میں امید کا تحفہ بھی دیا!

☆

بلاشبہ ان کے دیے ہوئے تحفوں کا احسان ہم نہیں چکا سکتے...!
اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اشتیاق انکل کو ان کے ان بے شمار خوبصورت تحفوں کے لیے جو انہوں نے ہم سب کو دیے ... خود ہی اپنی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں...!
ان کو اعلیٰ مقام و درجات عطا فرمائیں آمین۔

☆

کیوں نہ ہم بھی اپنے پیارے اشیاق انکل کو تحائف بھیجا کریں...
جی ہاں "ثواب کے تحفے..."
جس سے جتنا ہو سکے قرآن پاک پڑھے اور اشتیاق انکل کو ثواب کا تحفہ بھیج دے... اسی طرح کلمہ طیبہ... درود ابراہیمی... تسبیحات... استغفار کا تحفہ...!!!
جی بالکل اپنے محسن کو تحائف بھیجیے... اور درویش کی صدا کیا ہے...!

☆

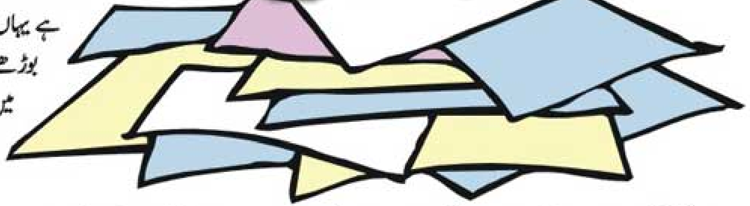
اے ہمارے محسن فارانی جی!
آپ اپنے رب کے حضور کس اشتیاق سے حاضر ہوئے ہوں گے
مسکراتے ہوئے دو باتیں تو کی ہوں گی
جنت الفردوس کے اعلیٰ بالا خانوں میں سرور اور جذب کا وہ کیا عالم ہوگا...
اسلام کے بچوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہنے والے اے ہمارے مربی و محسن...!
اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ بالا خانوں میں مقام عطا فرمائے... آمین ثم آمین!

بقیہ: آخری دو باتیں

اور آپس میں اتنی محبت پیدا کریں کہ اپنی پسندیدہ چیز اپنے بھائی کے لیے چھوڑ دیں۔ انہوں نے اپنی ان دو باتوں کا اختتام کچھ یوں کیا تھا:
"اور میں اسی کے ساتھ اپنی دو باتیں ختم کرتا ہوں!"
اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر چل دیے تھے۔ ایک بے چینی و جلدی سی ان کی طبیعت میں اس وقت محسوس ہوئی تھی، لیکن پھر ہمارے استاد صاحب انہیں دوبارہ اسٹیج پر لے آئے تھے، پھر ہم نے ان سے سوالات کیے تھے اور وہ ہمیں جواب دے رہے تھے۔ میری وہ حسرت جو دل میں تھی، وہ نکل گئی تھی۔ میں اس دن بہت خوش تھی لیکن یہ خوشی زیادہ دیر کی نہیں تھی۔
اگلے دن صبح صبح قرآن اکیڈمی پہنچتے ہی ان کے انتقال کی خبر سنا کر میری سہیلیوں نے گویا میرے سر پر ایک بم گرا دیا۔ پھر استاد صاحب نے تفصیل بتائی کہ وہ یہاں سے ایئرپورٹ گئے تھے لیکن وہیں ان کی طبیعت خراب ہوگئی......
وہ جہاز میں نہیں بیٹھے بلکہ انہوں نے اکیڈمی فون کر کے اپنی ناسازی طبیعت کی خبر دی اور واپس لینے آنے کو کہا لیکن جب تک وہ پہنچتے، حضرت اشتیاق احمد صاحب حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔
یہ سب سن کر بے اختیار رونے کو دل چاہا تھا۔ وہ اپنی موت سے کچھ گھنٹوں پہلے ہی تو ہمارے ساتھ تھے، انہوں نے ہم سے دو باتیں کی تھیں، وہ دو باتیں جو ان کی زندگی کی آخری دو باتیں تھیں، جنہیں میں لفظ بہ لفظ تو نہ لکھ سکی لیکن جو کچھ یاد ہے وہ لکھ دیا۔
ایک عجیب سی خوشی بھی ہے اور غم بھی۔ خوشی اس بات کی کہ مجھے وہ دستخط نہیں ملا لیکن ایک یادمل گئی، ان سے ملاقات وہ بھی آخری لمحات میں ایک اعزاز و سعادت کی بات ہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

❖ چھوٹا سا قد، دھیمی آواز اور چمکدار آنکھیں...... میرے ذہن میں بس اتنا سا خاکہ ہے۔ وہ میرا الھڑ سا لڑکپن تھا، جب میں ان کے سامنے اپنے اخبار کے لیے انٹرویو کرنے بیٹھا تھا۔ راتوں کو جاگ کر ہاتھوں سے اخبار لکھنا اور فوٹو کاپیاں کروا کر مدرسے میں پھیلا دینا۔ اخبار کیا تھا گویا ہماری معصوم سی شرارت تھی، جو بعد میں چل کر باقاعدہ پریس سے چھپنے لگا، لیکن پھر یہ ہوا کہ ہم زندگی کی راہوں پر اکیلے ہی نکل کھڑے ہوئے، لڑکپن نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، اور وہ اخبار ہماری جدائی برداشت نہ کرسکا۔ زندگی گزرتی رہی اور یقیناً گزر ہی جائے گی۔ یادوں کے گریبانوں کو رفو کرتے کرتے کب زندگی بسر کی جاتی ہے، کچھ پتا نہیں چلتا۔ سو ہم بھی زندگی کی بھول بھلیوں میں یادیں اپنے دل میں دفن کیے ضرورتوں کی بھیڑ میں گم ہوگئے، لیکن...... آج پھر سے ان خفتہ



یادوں میں گویا کسی نے روح پھونک دی ہے۔ اک معصوم سا نورانی چہرے کا خاکہ سا بار بار ذہن میں گھوم رہا ہے! خدا ان پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے اور اپنی مغفرت کے پانی سے ان کی لغزشوں کو دھو ڈالے۔ آمین

(صفوان احمد۔ دبئی)

❖ محمود چلتے چلتے رک گیا......!

ایک مرتبہ انہیں پڑھا تو پڑھتا ہی چلا گیا۔ بچپن سے اب تک، کیا نئے کیا پرانے؟ ایک جنون تھا، روزانہ پانچ پانچ، چھ چھ ناول پڑھ لیتے۔ ویسے تو سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن اژدھے کی اٹھان (تین جلد) کا تو جواب ہی نہیں! اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، آمین۔ (محمد لاہوری۔ لاہور)

❖ بعض اوقات ہمارے پاس الفاظ نہیں ہوتے کہ کس طرح اپنے دکھ کو بیان کریں۔ الفاظ ٹوٹے پھوٹے، جملے بے ربط، مگر کیا کریں بیان تو کرنا پڑتا ہے نا...... کیا یہ بات تکلیف دہ نہیں کہ اس کا یقین کرلیا جائے کہ اشتیاق احمد صاحب اب نہیں رہے، مگر دوستو! حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ناں، جہاں انہوں نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا، تو کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ ساتھیو! ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پر بخشش کی بشارت ہے۔ تو کیا یہ تحفہ دینا ان کے لاکھوں محبین کے لیے ممکن نہیں! دوستوں سے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اشتیاق صاحب رحمہ اللہ کو ہدیہ ثواب کریں۔ (فرید الحسن)

❖ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، انہوں نے ابن صفی کے بعد جس طرح جاسوسی ناول نگاری کے کام کو احسن انداز سے آگے بڑھایا اور جس طرح بچوں کے اندر اصلاحی مواد کو فروغ دیا، وہ معاشرے کی ضرورت کے عین مطابق تھا۔ ان کے اس کام کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، اللہ کروٹ کروٹ راحت واطمینان عطا فرمائے، آمین۔ (عثمانی بلوچ)

❖ آہ اشتیاق احمد! آکاش ادب کا ایک تابندہ ستارہ، لاکھوں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن، جو اپنی نوک قلم پر قاری کے دل کو نچاتا تھا، جس کی شہرۂ آفاق سیریز بچوں کے ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، جو ہر ہر صنف ادب پر اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھاتا گیا، جس کے قلم سے لاکھوں مسکراہٹیں اور جذبات وابستہ تھے۔ آج اپنے مداحوں اور پرستاروں کو یوں سوگوار چھوڑ گیا۔ سطح ادب پر اس رجل عظیم نے اپنے قلم سے جو گل وگلزار بنائے ہیں، وہ اب پکار رہے ہیں کہ بلاشبہ تم اپنے قلم اور اپنے صاحب قلم ہونے کا حق ادا کر گئے۔ یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس شکستہ دل کا خراج ہیں، جس کی دراڑیں اب کسی مرہم سے پُر نہیں ہوں گی۔ اللہ مرحوم پر اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے، آمین۔ (محمد عامر سلیم)

❖ 2011ء میں ہماری 15 دن کی تشکیل جھنگ شہر ہوئی تھی، ہماری جماعت جامع مسجد حق نواز شہیدؒ میں تھی، جماعت کے طالب علم ساتھی نے کہا کہ اشتیاق احمد صاحب سے ملتے ہیں، سنا ہے یہاں قریب رہتے ہیں۔ عصر کے بعد ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ صاحب ہمارے مطلوب ہیں نہیں، ان سے بات کیا کریں لیکن اتنی سنجیدہ اور باوقار شخصیت! آخر میں نے عرض کر ہی لیا کہ اشتیاق صاحب؟ دھیرے سے آواز آئی، جی مجھے کہتے ہیں۔ میں اور میرے دونوں ساتھی حیران رہ گئے۔ ہمیں یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی عمر کے شخص ایسی دو باتیں کیسے لکھتے ہیں، بہرحال ملاقات آدھے گھنٹے پر محیط رہ سکی۔ رحمت اللہ رحمت واسعہ (خیر الابرار)

❖ اسی کی دہائی میں جوانی کی منازل طے کرنے والے اشتیاق احمد کے نام سے بخوبی واقف ہیں جس نے انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، محمود، فاروق اور فرزانہ جیسے کردار تخلیق کیے تھے، جن کے کارنامے پڑھنے والا ہر نوجوان شاید اپنے دل میں ان جیسا بننے کی خواہش لیے پھرتا تھا۔ اس وقت موبائل فون آیا تھا نہ انٹرنیٹ، اس لیے کھیل کود کے علاوہ ایک اہم تفریح جاسوسی کہانیاں پڑھنا ہوتا تھا۔ یہ ایک اچھی سرگرمی تھی کیونکہ اس سے دل میں کوئی مثبت کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ شاید اگر ہم لوگ یہ جاسوسی ناول نہ پڑھتے تو کسی اور منفی سرگرمی میں جوانی ضایع کردیتے۔ میں خود تو ابن صفی اور مظہر کلیم کی عمران سیریز وغیرہ پڑھتا تھا تاہم مجھ سے اشتیاق احمد کا تعارف میرے کزن عمران نذیر اور سمیر انذیر نے کرایا تھا۔ اشتیاق احمد کی رحلت کا سن کر دل بہت اداس ہوا۔ ایسا لگا جیسے کوئی اپنا چلا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

(سلمان رسول)

❖ ہر ذی روح کو دنیا میں آنے کے بعد ایک نہ ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے، لیکن کچھ ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو کبھی پُر نہیں ہوسکتا۔ آہ! ایک ایسی ہی ہردلعزیز ہستی اشتیاق احمدؒ ہم سے جدا ہوگئے۔ اللہ پاک ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین

(محمد یوسف)

عجب اِک سانحہ سا ہو گیا ہے

ممتاز شیریں۔ دوحہ، قطر

مجھے نہیں معلوم کہ میں ان کو کس رشتے سے پکاروں؟ سب بچوں کی طرح دادا جی، چاچا جی، تایا جی کہوں یا انکل بولوں؟ گو کہ میں خود اب نانی جی ہوں! لیکن میرے اندر وہی چھوٹی سی بچی آج بھی کہیں موجود ہے جو آج سے 30 سال پہلے اشتیاق احمد کے ناول کہیں بھی، کسی بھی قیمت پر حاصل کر کے ضرور پڑھا کرتی تھی۔ آج سے 30 سال قبل نہ تو وسائل آج کی طرح تھے اور نہ ہی ہم مالی طور پر بہت آسودہ حال تھے۔

مجھے یاد ہے میں آٹھویں کلاس میں تھی، اس وقت اشتیاق احمد کا ناول 18 روپے کا آیا کرتا تھا، ہمیں گھر سے کبھی کبھار آٹھ آنے مل جایا کرتے تھے۔ ان آٹھ آنوں کو ہم سنبھال سنبھال کر جمع کرتے کہ 18 روپے ہو جائیں گے تو اشتیاق احمد کی انسپکٹر جمشید سیریز کا ناول خریدیں گے۔ انسپکٹر کامران اور شوکی برادرز کے مقابلے میں ہمیں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ زیادہ پسند تھے۔ اس وقت کی ہماری واحد تفریح اشتیاق احمد کے ناول تھے۔

آمدنی محدود ہونے کی وجہ سے ہم سب دوست مل کر آپس میں اشتیاق احمد کی کتابوں کے تبادلے کیا کرتے تھے۔ تب میں اپنے گھر والوں کو بغیر بتائے اسکول سے واپسی پر صرف اشتیاق احمد کے ناول لینے اپنی سہیلی کے گھر جایا کرتی تھی۔

ان کے ناول پڑھتے پڑھتے کب میں اسکول سے یونیورسٹی اور یونیورسٹی سے پیا گھر آ گئی، پتا ہی نہ چلا۔

مسکراہٹ تبسم ہنسی قہقہے سب کے سب کھو گئے، ہم بڑے ہو گئے

شادی کے بعد میاں صاحب کی جاب کے سلسلے میں ہم قطر شفٹ ہو گئے۔ درمیان کا کچھ عرصہ گھریلو مصروفیات نے پڑھنے پڑھانے سے دور رکھا، پھر جلد ہی پتا چلا کہ روزنامہ اسلام کے تحت نکلنے والے میگزین بچوں کا اسلام کی ادارت اب اشتیاق احمد صاحب کر رہے ہیں تو ہم نے پاکستان میں مقیم اپنی بہنوں سے کہہ کر بچوں کا اسلام جمع کروانا شروع کر دیا اور جب سال کے سال پاکستان چھٹی میں جاتے تو واپسی میں دیگر سامان کے ساتھ بچوں کا اسلام کا ایک بیگ بھی ہمارے ساتھ ہوتا۔ میرے بچے مجھے 'بچوں کا اسلام' پڑھتا دیکھتے تو خوب ہنستے اور کہتے کہ امی! اب آپ بڑی ہو گئی ہیں، اب 'خواتین کا اسلام' پڑھا کریں۔"

پڑھنے لکھنے کا شوق بہت بچپن سے میری گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ میرے بڑے بھائی پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود نے بہت بچپن سے میرے اندر یہ جراثیم منتقل کر دیے تھے۔ شروع میں ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی پر کافی کچھ لکھا بھی اور چھپا بھی، پھر اپنی ازلی نااہلی اور سستی کی وجہ سے لکھنا تو چھوڑ دیا، مگر پڑھنا نہیں چھوڑا۔

اس لکھنے اور پڑھنے کے شوق میں جہاں میرے بھائی پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود نے میری مدد کی، وہیں اشتیاق احمد مرحوم بھی میرے بچپن کے ادبی استاد تھے۔

ہم ازالہ نہ کر سکیں جن کا
لوگ ایسے بھی ہم نے کھوئے ہیں

مجھے معلوم ہے کہ جس سانحے کا میں ذکر کرنے جا رہی ہوں، اس کے متعلق میرے ہی نہیں لاتعداد بہنوں اور بھائیوں کے یہی جذبات ہوں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگ جن شخصیات کو ان کی زندگی میں جانتے ہیں، ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، ان سے ان کا خاص تعلق ہوتا ہے، ان کا غم تو معمول کی بات ہے مگر بعض پاکیزہ نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو بن دیکھے ان کی عظمتوں کی خوشبو سے معطر ماحول کی وجہ سے بے شمار مخلوقِ خدا خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ ان کے جانے کے غم کو محسوس کرتی ہے، ان کی مدح میں رطب اللسان نظر آتی ہے۔ یہ قلیل لوگ زمین کا نمک، پہاڑی کا چراغ، عظمت کے مینار ہوتے ہیں (اوہو! یہ تو ان کے کسی ناول کے نام ہو گئے)۔

اشتیاق احمد مرحوم جیسے لوگوں کو زندگی کی گزرگاہوں میں چلتے پھرتے دیکھ کر تاریخ دم سادھے ان کی فلم بناتی رہتی ہے اور جوں ہی یہ فلم ختم ہوتی ہے، تاریخ خود غمزدہ اور دم بخود نظر آتی ہے۔ وہ انسان نہیں لکھنے کا جن تھے، ایک ماہ میں 4 ناول، مختلف رسالوں میں نت نئے افسانے لکھنا آسان کام نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل سے کہتے ہیں:

"اے جبرائیل! میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو اور پھر سب آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، حتیٰ کہ زمین والوں کو بھی اس سے محبت کا پیغام دیا جاتا ہے اور وہ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔"

کچھ ایسا ہی معاملہ اشتیاق احمد کے ساتھ بھی تھا۔ میں گزشتہ 30 سال سے ان کی خاموش قاری تھی لیکن ان کی موت نے مجھے خاموش نہ رہنے دیا۔

جیو تو ایسے کہ زندگی کو رشک آئے
مریں تو موت کہے کون مر گیا یارو!

بہر حال موت برحق ہے۔ ہم اس امت سے تعلق رکھتے ہیں جسے مصیبت کے وقت اناللہ وانا الیہ راجعون کہنا سکھایا گیا ہے۔ ہم اللہ کی رضا پہ راضی ہیں اور تمام تر رنج و غم کے ساتھ یہ چیز ہمارے لیے تسلی کا باعث ہے کہ انہوں نے بہت سعادت مند زندگی گزاری اور اب ان شاء اللہ جنت کے باغات میں ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ہمارے جنازے ہمارے فرقان بن جائیں گے، جب نمازِ جنازہ میں چالیس افراد کی گواہی اور دعا میت کے حق میں قبول ہوتی ہے تو ان ہزاروں اور لاکھوں گواہیوں کا کیا مرتبہ ہوگا!

حالی سے معذرت کے ساتھ۔

تاریخ وفات ان کی پوچھے جو کوئی حالی
کہنا کہ ہوا خاتمہ بچوں کے ادب کا